شمارہ نمبر ۱۲
مئی ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقل جآء الحق وزھق الباطل' ان الباطل کان زھوقا

مجلّہ پشاور

راہ ہدایت

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر
طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

(واٹس ایپ رابطہ نمبر:03428970409)

فہرست مضامین

شمار	عنوانات	صفحہ
1	مماتی مولوی منیر شاکر انکار حدیث کی راہ پر	1
2	حضرت مولانا منظور مینگل صاحب کے نئے مغالطے	5
3	امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مودودی وکیل کا واقعہ	10
4	فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع جلد دوم (قسط:۹)	12
5	اجماع کی شرعی حیثیت اور غامدی شبہات کے جوابات	15
6	غیر مقلدین کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت (قسط:۴)	23
7	قرآت فی الجنازہ مکروہ تحریمی (قسط:۳)	28
8	تنظیم فکر ولی اللہی کے چند اہم کتب کا تعارف (آخری قسط)	51
9	غیر مقلدین کا قیاسی دین (قسط:۳)	59
10	غیر مقلدین کا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے (قسط:۵)	75
11	تحقیقی جائزہ کتاب کا مطالعہ	92

نوٹ: گزشتہ شماروں کی پی ڈی ایف حاصل کرنے کے لئے 03428970409 پر واٹس ایپ کیجئے۔

=÷=

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

مماتی مولوی منیر شاکر انکار حدیث کی راہ پر

مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"منکرین حدیث میں تین نظریات پائے جاتے ہیں

1)__ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شرعی امور میں نہ صحابہ کرامؓ کے لیے حجت تھیں نہ ہمارے لیے حجت ہیں، کیونکہ وحی صرف قرآن ہے، قرآن کے سواء کوئی وحی نہیں، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت من حیث الرسول واجب نہیں، نہ ہم پر، نہ صحابہ پر، صحابہ پر آپؐ کی اطاعت حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے واجب تھی، نہ کہ من حیث الرسول۔ قرآن سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت نہیں۔

2)__ احادیث نبویہ، صحابہ کے لیے حجت تھیں، ہمارے لیے حجت نہیں۔

3)__ احادیث، صحابہؓ کے لیے بھی حجت تھیں اور ہمارے لیے بھی، لیکن ہم تک احادیث براہ راست نہیں پہنچیں، بلکہ بہت سے راویوں کے واسطے سے پہنچی ہیں اور یہ واسطے قابل اعتماد نہیں ،اس لیے اب ان احادیث کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ تینوں نظریات باہم متعارض ہیں، منکرین حدیث کی تقریر و تحریر میں ان میں سے کوئی ایک نظریہ ضرور پایا جاتا ہے۔

(درس مسلم 1/26,27)

مفتی منیر شاکر صاحب بھی براہ راست انکار حدیث کا نام نہیں لیتا لیکن تیسرے راستے کو عبور کرتے ہوئے صحیح احادیث کو تختہ مشق بناتے ہیں۔ کبھی راویوں پر گالیوں کی گردان پڑھتے ہیں تو کبھی امام بخاری رحمہ اللہ پر۔۔ چونکہ موصوف کا تعلق جماعت اشاعت التوحید والسنہ سے تھا اور آپس میں کسی عہدہ پر لڑائی کی وجہ سے ان حضرات نے جماعت سے نکالا، ورنہ ان میں انکار حدیث کے جراثیم پہلے سے موجود تھے۔ اور ہمارے اکابر علماء نے وقتاً فوقتاً اس بات کی نشاندھی کی ہے جو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ منیر شاکر احمد سعید ملتانی کا اخ عینی ہے دونوں کی

=÷

جماعت اشاعت التوحید تھی اور ان کے اکابران دونوں کو بیٹوں کی طرح چاہتے تھے، اور دونوں نے صحیح احادیث اور بخاری شریف کا کھل کر مذاق اڑایا ہے۔ سچ بات تو یہی ہے کہ انکار حدیث کی بیج اس جماعت کے کئی افراد میں ہیں لیکن بعض سے جب اغراض ختم ہو جاتے ہیں تو اعلان شایع کرتے ہیں کہ ان کا جماعت سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً مماتی خضر حیات بھکروی کا کلپ نٹ پر موجود ہے بخاری کی قرع النعال والی روایت کا کس طرح مذاق اڑاتا ہے، مفتی توصیف مماتی آف مرغز کا کلپ موجود ہے پشتو زبان میں، جس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے کہ

"لاو یہ بخارے (بخاری کی جگہ بخارے، استہزائی انداز) جس پر تم ناز کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ

کسی نے سچ کہا ہے کہ گمراہی کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ بندہ مماتیت کو قبول کر لیں، پھر مزید ترقی کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں اور آخری سٹاپ انکار حدیث ہوتا ہے۔ ہمارے آس پاس جو غیر مقلدین ہیں، جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں ان کے اندر بھی انکار حدیث کا مادہ بڑے پیمانے میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ غیر مقلدیت کے خمیر میں دریدہ دہنی، بدکلامی، بدتمیزی اور شوخ چشمی پائی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے مکاتب فکر کے علماء وفضلاء پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے کرتے اپنی مسلک پر اس قدر سختی سے ڈٹ جاتے ہیں کہ ان کے نظریہ کے مقابلہ میں خواہ قرآن کریم کی صریح آیات کریمہ پیش کی جائیں، خواہ سو فیصد صحیح احادیث بیان کی جائیں سب کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس بات کی تفصیل کے لیے توضخیم دفتر درکار ہے البتہ انکار حدیث کے لیے ایک جھلک ملاحظہ کریں۔

غیر مقلدین کا انکار حدیث

مثال نمبر ا:

" **واذا قراء فانصتوا**" یہ حدیث بالکل صحیح صریح مرفوع غیر مجروح اور غیر مقطوع ہے۔ اس کی صحت پر امام مسلم رحمہ اللہ نے محدثین کا اجماع نقل کیا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ غیر مقلدین کے نظریہ اور مسلک کے خلاف ہے اس لیے جان چھڑانے کے لیے مختلف حیلے اور بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ کبھی اصول حدیث کے مسلمہ اصول کے خلاف کہتے ہیں کہ سلیمان تیمی کا تفرد ہے، حالانکہ سلیمان تیمی ثقہ، ثبت اور حجت ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ **زیادۃ الثقۃ مقبولۃ**۔ اور تین راوی ان کا متابع بھی موجود ہے۔

کبھی کہتے ہیں کہ قتادہ مدلس ہے۔ حالانکہ صحیحین کی تدلیس مضر نہیں، سماع پر محمول ہوتی ہے۔ کبھی اس کو **مازاد علی الفاتحہ** پر محمول کرتے ہیں۔

=÷=

سوال:جب آپ حضرات اہل حدیث ہیں تو صحیح صریح مرفوع غیر مقطوع حدیث کو مان لیں۔اس حدیث کو ٹھکرانے کے لیے حیلے اور بہانے کیوں ڈھونڈتے ہو کیا صحیح حدیث کے ٹکرانے کے لیے جو بہانے ڈھونڈتے ہے وہی اہل حدیث ہوتا ہے؟

مثال نمبر۲:

اسی طرح اس صحیح صریح اور مرفوع حدیث کا آخری ٹکڑا "**واذا قال الامام غیرالمغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین**" سے بھی ان کو درد سر ہوتا ہے اور اس صحیح حدیث کی مخالفت کو اہل حدیث ہونے کا نام دیا ہے۔

مثال نمبر۳:

لاصلوۃ لمن لم یقرابفاتحۃ الکتاب فصاعدا (مسلم 169/1 نسائی شریف105/1)یہ حدیث بالکل صحیح صریح اور مرفوع ہے۔لیکن اپنے مطلب برآری کے لیے ہمیشہ تحریف کرتے ہیں اور آخری ٹکڑا **فصاعدا** کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کرتے ہیں اور اگر کوئی حنفی عالم عوام پر ان کی دھوکہ دہی واضح کرتا ہے تو پھر مختلف حیلوں سے اس ٹکڑا کو رد کرنے کے لیے ایڑھی چھوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

خیر یہ بھی ایک مستقل عنوان ہے کہ غیر مقلدین کے اندر بھی انکار حدیث کا ایک لمبا داستان ہے۔

امام اہل سنت والجماعت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

> "مذہبی لحاظ سے سطح ارضی پر اگرچہ بے شمار فتنے رونما ہو چکے ہیں۔اب بھی موجود ہیں اور تا قیامت باقی رہیں گے۔لیکن فتنہ انکار حدیث اپنی نوعیت کا واحد فتنہ ہے باقی فتنوں سے تو شجرہ اسلام کے برگ وبہار کو ہی نقصان پہنچتا ہے۔لیکن اس فتنے سے شجرہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور اسلام کا کوئی بدیہی سے بدیہی مسئلہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔
>
> (انکار حدیث کے نتائج صفحہ 27)

حضرت امام اہل سنت کے قول کے مطابق یہ فتنہ خطرناک ترین فتنہ ہے جو ہماری شریعت کے مسلمہ اور بدیہی عقاید واعمال کو عام امت مسلمہ چھین رہے ہیں۔ہر دور میں اس فتنہ کے خلاف ہمارے اسلاف نے آواز آٹھایا ہے اگر تحریری شکل میں آیا تو تحری تنقید بھی اس پر اکابر نے کیا ہے۔

=÷=

سب سے پہلے اہل سنت کے پیشو محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی رسالہ اصول فقہ میں اس خبیث فتنہ کی کلاس لی ہے جو کتاب الام کی ساتویں جلد میں موجود رسالہ ہے، حضرت ام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اطاعت رسول کے اثبات میں مستقل رسالہ لکھاہے اور منکرین کے دانت کٹوائے ہے جس کا بیشتر حصہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں نقل کیاہے۔ابن عبد البر المالکی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں اس شجرہ خبیثہ کے بعض حیاسوز نظریات کی دھجیاں بکھیر دی ہے۔اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف لطیف **المستصفی** میں، حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی رحمہ اللہ نے **الروض الباسم** اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے **مفتاح الجنة فی الاحتجاج بالسنة** میں اس باطل اور خبیث فتنے کا سرکوبی کی ہے۔مزید ہمارے عصر حاضر کے اکابرین میں سے علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے آثار الحدیث، امام اہل سنت والجماعت شیخ صفدر رحمہ اللہ نے انکار حدیث کے نتائج میں اور حجۃ اللہ فی الارض علامہ امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ نے تجلیات کے مختلف حصص میں اپنے سیال قلم سے اس شجرہ خبیثہ کی بیخ کنی کی ہے۔ابھی ہمارے وطن عزیز میں اس خبیث فتنے کا علمبردار منیر شاکر نامی شخص ہے جس کا ذکر مضمون کے ابتداء میں کیا گیاہے۔رواۃ حدیث کو بہانہ بناتے ہوئے مختلف عقائد واعمال کو استہزائی انداز میں بیان کرتے ہیں، تو کبھی تراویح کا انکار، کبھی معراج کا انکار، کبھی فقہاء پر زبان درازی تو کبھی محدثین پر سب وشتم کی بوچھاڑ۔۔۔تراویح اور معراج پر جب گل افشانی کی تو اس کے بعد دل میں یقین ہو گیا کہ ان کی شاخیں کہاں سے ملی ہوئی ہے۔عبد اللہ چکڑالوی منکر حدیث نے تراویح کی تردید میں کتاب لکھی ہے **البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح** اور معراج جسمانی کی تردید میں حافظ اسلم جیراجپوری نے بھی تنکوں کا سہارا لیاہے اور اس کو نوادرات میں آپ حضرات ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

ہمارے قافلہ حق اکابرین دیوبند کے شہزادہ مفتی محمد ندیم محمودی صاحب نے اس مکروہ آواز کو دبانے کے لئے اس بدبخت کو مناظرہ کا چیلنج بھی دی ہے اب دیکھتے ہیں کہ کب اسے توفیق ملتی ہے کہ شیر کے سامنے بیٹھ جائے۔ دیگر مکتب فکر حضرات کے موقر صاحب علم حضرات سے بھی درخواست ہے کہ تقریر وتحریر کے ذریعے اس فتنے کے خلاف آواز اٹھائیں تاکہ کے پی کے میں انکار حدیث کا آبیاری نہ ہو۔**والی اللہ المشتکی**

(جاری)

=÷

محقق العصر مولانا عبد الجبار سلفی صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا منظور مینگل صاحب کے نئے مغالطے

جناب مولانا منظور احمد صاحب مینگل نے حالیہ دورہ تفسیر قرآن مجید کے دوران اپنے وفور علم اور زور تحقیق کے دعوؤں میں کچھ معلومات کے نئے موتی طلبہ کرام کے دامان طلب میں گرائے ہیں۔ جس کا ویڈیو کلپ وہاں پہ موجود احباب نے ہمیں ارسال کیا۔ جسے سننے کے بعد مزید افسوس ہوا کہ حضرت مولانا اپنے تھرکتے اور مٹکتے بدن کے ساتھ فاتح عالم بن کے جو باتیں ارشاد فرمارہے تھے وہ سب کی سب باتیں محض مغالطوں پہ مبنی ہیں۔ ہم زیر نظر سطور میں ان کے پھیلائی گئیں غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی جسارت کریں گے۔ گفتگو کا مرکزی موضوع مسئلہ حیات و ممات تھا جو پہلے ہی علم و اعتدال کی حدیں پار کر کے متشددین کے ساز و آواز اور بے علم و نادان لوگوں کے عقلی فکر و افلاس کی چراگاہ بن چکا ہے۔ مزید حضرت مولانا صاحب کی بلاتی رجھاتی تحقیق نے اسے مذہبی تناؤ کا اکھاڑہ بنا ڈالا۔ مولانا صاحب نے پوری تحدی کے ساتھ اپنا مبارک سر ہلا ہلا کے اور اِدھر اُدھر آنکھیں مٹکا مٹکا کے دعویٰ کیا ہے کہ:

> امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ حضور سرور کائنات ﷺ کی وفات شریف کے قائل نہیں ہیں جو ان کا تفرد ہے۔

اس مغالطہ کے جواب میں ہم گزارش کریں گے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ موت جیسی زندہ حقیقت کا انکار تفرد نہیں۔ بلکہ تجہل کہلائے جانے کا زیادہ سزاوار ہے۔ کیونکہ تفرد ایک خالص علمی اصطلاح ہے۔ جو نصوص و قطعیات یا کھلے مشاہدات میں نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ وفات رسول ﷺ کے منکر نہیں ہیں۔ اور پوری دنیا کے انسانوں کی طرح وہ بھی حضور سرور کائنات ﷺ کے انتقال شریف کے قائل ہیں۔ بلکہ کیفیت موت میں ان کا تفرد ہے۔ کیفیت اور حقیقت کے مابین وہی فرق ہے جو حضرت مولانا مینگل صاحب جیسے کہنہ مشق مدرسین اور ہم جیسے چھابڑی فروشوں میں فرق ہے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب آب حیات میں ایک لطیف و حساس بحث اٹھائی ہے کہ عام انسانوں پہ جب موت وارد ہوتی ہے تو ان کے اجسام سے ارواح کا اخراج ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضور نبی کریم

=÷

ﷺ پہ جب موت شریف طاری ہوئی تو آپ کی روح طیبہ کا اخراج نہیں ہوا۔ بلکہ پورے جسم اطہر سے روح انور سمیٹ کر قلب اطہر میں جمع کر دی گئی۔ یعنی قبض روح دل مبارک میں ہوا۔ آپ ﷺ کا اس دنیا سے تعلق ختم ہو گیا اور وجود نبوت سے تارے بے نور ہو گئے تو آپ ﷺ کی شان نبوت کے مطابق تجہیز و تکفین اور تدفین کی گئی۔ اور اس کے بعد روضہ شریف میں قلب اطہر میں مقبوض روح انور کو بسط جسم کیا گیا۔ یعنی کھول دیا گیا جس کے بعد آپ ﷺ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے روضہ انور میں حیات ہیں اور اسی جسم و روح انورین کے تعلق کی وجہ سے وہاں حاضری دینے والوں کے صلوۃ و سلام کو سماعت فرماتے ہیں۔ یہ بحث کرتے ہوئے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بار بار اپنی کتاب آب حیات میں بخامہ خود لکھتے ہیں کہ:

> یہ بات مجھ سے پہلے آج تک کسی نے نہیں کی۔ اور میں اپنے اس تحقیقی تفرد کو کسی پہ مسلط نہیں کرتا بلکہ میرا وجدان ہے کہ چونکہ روحوں کے ٹھکانے دو ہی ہیں۔ علیین اور سجین نیک لوگوں کی روحیں ان کے مرتبے کے مطابق علیین کے مختلف رفیع درجات میں قرار پاتی ہیں جبکہ سجین میں کفار و سرکشوں کی روحوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

> جب ملک الموت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کرنا چاہی تو اللہ تعالی نے قانون جاری فرمایا کہ اس پاکیزہ روح انور کے استقرار کے لئے وجود محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی جگہ قیمتی نہیں ہو سکتی۔ لہذا حضور نبی اکرم ﷺ کے بدن مبارک سے روح طیبہ کا اخراج کرنے کی بجائے قلب اطہر ہی میں ٹھکانہ دے دیا جائے۔

یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جو حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ نے بیان فرمائی ہے۔ اب اس کو امام نانوتوی رحمہ اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی نفس وفات کا انکار نہیں کہا جائے گا بلکہ کیفیت موت میں تفرد کہا جائے گا۔ اور خالق لم یزل نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس تفرد اور تعبیر کو اس قدر ایمانی و علمی حسن بخشا کہ ہر طبقہ و مکتب اہل علم اس حسن تعبیر کو پڑھ کر جھوم اٹھے۔ اور وہ داد دیئے بنا نہ رہ سکے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

> ”میں نے آب حیات تین مرتبہ پڑھی ہے اب کہیں جا کے کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں۔“

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

جبکہ حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے تھے:

”مجھ سے تو دماغ پہ اتنا ثقل برداشت ہی نہیں ہوتا کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکوں۔“

تو لازمی بات ہے کہ اس قدر گہرے اور دقیق لطائف پہ مشتمل کتاب آج کے اہل علم کی سمجھ شریف میں اسی وقت آسکتی ہے جب وہ کم از کم چھ ماہ کے لئے سوشل میڈیا کے شوق سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیں۔ تو اس بات کو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد صرف اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب اسے موت کی کیفیت کا تفرد کہا جائے۔ بصورت دیگر تو نفس موت کا انکار لازم آئے گا جس کی امام نانوتوی رحمہ اللہ سے قطعاً توقع یا امید نہیں کی جا سکتی۔ اور اس زبردست غلطی فہمی کے مولانا مینگل بھی شکار ہیں لہذا انہیں اپنی اس غلطی سمیت اپنی ہزاروں یا تفردات سے اب اعلانیہ رجوع فرما لینا چاہیے اسی ضمن میں حضرت مولانا کے دو تین مغالطے مزید بھی ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ:

حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تین دن تک تدفین نہیں ہوئی تو گویا ان تین دنوں میں سبھی کو موت ماننا پڑے گی۔ تو گویا تین دنوں کے لئے تو سارے مماتی بن جاتے ہیں۔

مولانا صاحب کی طبیعت میں اتار چڑھاؤ کے جوار بھاٹے اٹھتے رہتے ہیں ان کا بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ کوئی بھی بات کہنے سے قبل تحقیق نہیں فرماتے بلکہ پہلے اظہار فرماتے ہیں اور بعد میں جستجو کرتے ہیں۔

ہم نے اس مضمون کے پہلے حصہ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات شریفہ کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ رہ گئی بات حیات فی القبر کی، تو وفات شریفہ کے بعد جو قبر اطہر میں حیات ہے وہ برزخی حیات ہے۔ البتہ جس طرح ایک امتی اور نبی کی دنیاوی زندگی میں ایک جہان ہونے کے باوجود فرق ہوتا ہے بعینہٖ امتی کے برزخ اور نبی کے برزخی مقامات میں بھی فرق ہوتے ہیں۔

برزخ ایک ظرف زمان ہے جبکہ قبر ظرف مکان ہے۔ جب بھی کوئی انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو بھلے تدفین سے قبل اس کی میت ہمیں اسی جہان میں موجود نظر آتی ہے مگر اس پہ عالم برزخ کے احکامات و اثرات جاری ہو جاتے ہیں۔

ہم جہاں تک سمجھتے ہیں مولانا صاحب کو تقابلی مسائل میں تبادلہ خیالات کا کوئی تجربہ یا مطالعہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس موضوع سمیت کسی بھی عنوان پہ شاید کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں فرمایا۔ وگرنہ زیر بحث مسئلہ میں اگر وہ فقط دو ار دو کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ فرما لیتے تو کبھی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر دوسروں کی دماغی

=÷

الجھنوں کی ذمہ داری اپنے سر پہ نہ لیتے۔ ایک سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کی کتاب مقام حیات اور دوسری شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب تسکین الصدور ہے۔ ان دو کتابوں میں مہک و آہنگ اور سکون و سرور کچھ اس طرح علم و تحقیق کے تناسب سے یکجا ہیں کہ پڑھنے والا ایک خاص روحانی ماحول میں کھو جاتا ہے۔

جمعیت اشاعت التوحید کے حضرات جن میں پنج پیر مردان کے مولانا محمد طاہر پنج پیری شامل بھی شامل ہیں اور انہیں کی تعریف و توصیف میں جناب مولانا مینگل صاحب نے مسئلہ زیر بحث میں خوامخواہ اپنی بھد اڑائی ہے۔ حضرت مولانا کو سوچنا چاہیے کہ یہ کوئی ڈریسنگ ٹیبل نہیں ہے کہ جہاں بیٹھ کے بالوں میں برش کیا اور چلتے بنے۔ یہ علمی مسائل ہیں جہاں درسگاہی داستانوں سے کام نہیں چلتا۔ حضرت مولانا صاحب کے علوم و فیوض کا سارا سسٹم آٹو پہ ہے۔ دوران تدریس جو بات ان کے تخیل سے ٹکراتی ہے وہ قبل از تحقیق اس کی نکاسی اسی وقت ضروری سمجھتے ہیں۔ جس سے سننے والے ہچکیوں اور ہچکولوں میں بے قرار رہتے ہیں جبکہ حضرت مولانا صاحب اپنے صور اسرافیل میں پھونکے مارتے کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں۔

اشاعت التوحید سے وابستہ لوگوں کا نظریہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے بدن اطہر کے ساتھ روح انور کا تعلق نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ روضہ شریف پہ حاضر ہونے والوں کا صلوۃ و سلام نہیں سنتے اور یہ عقیدہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ سے کھلی بغاوت بلکہ غباوت ہے۔ یہ درست ہے کہ اس حیات شریفہ کی مکمل کیفیات اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس عنوان پہ عوام الناس کا ضرورت سے زیادہ گہرائی میں اترنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے اجمالی نظریہ ہی ہدایت کے لئے کافی وافی ہے۔ مگر عوام تو رہے ایک طرف۔ اب اہل علم کی ہی صورتحال ناقابل بیان حد تک مخدوش ہو چکی ہے۔

اس سے بڑا المیہ کیا ہوگا کہ مسئلہ زیر بحث پر علماء اہل سنت دیوبند نے کم و بیش پچاس سے زائد کتب لکھ ڈالی ہیں اور اگر ان سے ماخوذ دوسرے حضرات کی کتابیں شامل کی جائیں تو ان کی تعداد دو سو سے بھی زائد ہو جاتی ہے۔ مدلل تقریریں اور خطابات الگ ہیں مگر باوجود اس کے مولانا مینگل صاحب اس موضوع کے مبادیات سے ہی لاعلم ہیں۔ اور جب انہیں اپنی کہی ہوئی بات سنبھالنے میں دقت پیش آتی ہے تو وہ فی الفور تعلی و خودستائی پہ اتر آتے ہیں کہ فلاں کو تو نحو میر تک نہیں آتی۔ فلاں کو کافیہ کی عبارت نہیں آتی۔ فلاں میرے سامنے بیٹھ کر تو

دکھائے۔اور وہ اپنی اس علمی رعونت سے معاصرین کے علاوہ بعض اوقات اکابرین امت پہ بھی ہاتھ صاف کر دیتے ہیں۔ مگر خوش اعتقاد شاگردوں کا بھلا ہو کہ وہ اسے استاذ جی کے بحر علم کی موجیں قرار دیتے ہوئے انہیں مزید **تعلیوں** میں موٹا تازہ کر دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ حیاتی و مماتی کی اصطلاح تقابلی نفرت کی بنیاد پہ وجود میں آئی تھی جو اس قدر معروف ہوئی کہ اب اہل علم کی مجلسوں میں ان کا بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔ در اصل عام سماع موتی کے انکار کی وجہ سے اس طبقے پہ مماتی کا نام چسپاں ہوتا تھا۔ جبکہ انکار سماع موتی ان کا بڑا جرم نہیں ہے۔اس میں تو علمی تبادلہ آراء کی حد تک گنجائش نکل سکتی تھی۔ مگر حضور اکرم ﷺ کی حیات فی الروضہ یا سماع عند الروضہ پر تو پوری امت کا اجماع ہے۔اس کا انکار کرنے والا خواہ اپنے آپ کو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد مشہور کرے یا دار العلوم دیوبند کا فارغ التحصیل!اس کی نسبتوں کا اس وقت اعتبار ہو گا جب اس کے نظریات بھی اسلاف اہل سنت کی اتباع و تقلید میں ہوں گے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان مسائل میں توہین و تکفیر یا گالی گلوچ تک جا پہنچنا شرف انسانی کے عین متصادم ہے۔ آج جبکہ شیعیت و قادیانیت کے فتنوں کے ساتھ ساتھ لادینیت اور سلف بیزاری کا سیلاب امنڈ رہا ہے۔ سوشل میڈیا کی لہروں پہ تھرکنے والے ہمارے علماء کرام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے جائز اور بر محل استعمال سے اس سیلاب کے آگے بند باندھیں۔اور نئی نسل کے ایمان و کردار کو بچانے کے لئے میدان عمل میں اتریں۔

افسوس کہ وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی شرعی ذمہ داریوں سے بالکل بے پرواہ اور مغفل ہیں۔اور جن موضوعات پہ وہ لب کشائی کرتے بھی ہیں تو ان کا فائدہ نہ ہونے کے برابر اور نقصان دگنا چوگنا ہو رہا ہے۔یوں جن فتنوں کی گمراہانہ روش کا ہم رونا روتے ہیں ان کو تقویت دینے کے لئے خود اہل حق کی صفوں میں موجود ہمارے قابل احترام لوگ بھی ایک ذریعہ بن جاتے ہیں۔ 90% فیصد مذہبی طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تو اس فورم کو صرف سیلفیاں، فوٹو سیشن، اوٹ پٹانگ ویڈیوز اور دوسروں کو بدنام کرنے کی کاوشوں میں منہمک ہیں۔ صرف 10% حضرات درد دل بھی رکھتے ہیں۔ وسائل بھی اور صلاحیتیں بھی۔ مگر افسوس کہ جذباتیت، انانیت، عدم معلومات، اور **نرگسی** مزاج نے فوائد کی بجائے نقصانات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

ماخوذ از مجلہ صفدر کا امام اہل سنت نمبر

امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مودودی وکیل کا واقعہ

مولانا عبد القدوس خان قارن مدظلہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد آپ کے آس پاس کے دیہات سے آنے والوں کو گھر ہی لے آتے، ایک دفعہ محترم جناب حاجی اللہ دتہ صاحب کے ساتھ ایک وکیل آیا جو غالباً ڈسکہ کا رہنے والا تھا ان کو بیٹھک میں بٹھایا گیا اور ان کے لیے چائے تیار کی جا رہی تھی کہ اچانک بیٹھک سے حضرت کی زوردار آواز گونجنے لگی، میں دوڑ کر گیا تو دیکھا کہ حضرت کے ہاتھ میں کلہاڑی پکڑی ہوئی ہے اور محترم بٹ صاحب درمیان میں حائل ہیں اور وہ وکیل ایک جانب کھڑا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بٹ صاحب کو کہہ رہے تھے کہ اس کو فوراً میری بیٹھک سے نکال دو! میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، جلدی سے اس کو نکال دیا گیا، کچھ اور حضرات بھی جمع ہو گئے اور حضرت سے اس بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وکیل صاحب نے باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے بنو امیہ ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ سارے بنو امیہ کے بارے میں ایسا نہ کہیں اس لیے کہ اس میں حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما بھی آتے ہیں تو اس نے کہا کہ اصل تو یہی ہیں، اس کے ان الفاظ پر مجھے غصہ آیا اور بٹ صاحب سے کہا اسے یہاں سے نکال دو!، پھر چند ماہ بعد محترم بٹ صاحب کے ساتھ وہی وکیل پھر آیا اس دفعہ وہ معافی مانگنے کے لیے آیا تھا، اس نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں حضرت کے ہاں سے نکالا گیا اور ڈسکہ پہنچا تو کئی دفعہ رات کو نیند میں دو آدمی آتے اور میری گردن میں رسی ڈال کر ایک ایک جانب سے اور دوسرا دوسری جانب سے کھینچتا جس سے میری جان نکلنے کے قریب ہوتی اور اسی حالت میں بیدار ہو جاتا تو کافی دیر تک وہ خوف مجھ پر طاری رہتا، ایک دفعہ میں نے جرأت کر کے خواب ہی میں ان دو آدمیوں سے پوچھ لیا کہ تم میرے

ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے ہو؟ اور تم کون ہو؟ تو ان میں سے ایک نے کہا کہ تمہیں یاد نہیں کہ گکھڑ میں تم نے کیا کہا تھا؟ تمہارے معافی مانگنے تک یہ سلوک تمہارے ساتھ ہوتا رہے گا، پھر حضرت نے اس کو توبہ کروائی اور خود بھی اس سے درگزر فرمایا اور حضرات صحابہ کرام کے بارہ میں اس کو سمجھایا اور مودودی صاحب کے خطرناک نظریات سے اس کو آگاہ کیا تو اسنے وعدہ کیا کہ زندگی بھر مودودی صاحب سے تعلق نہ رکھوں گا۔ حضرت امام اہل السنۃ کی وفات پر تعزیت کے لیے آنے والوں میں ایک پروفیسر بھی آئے جن کا نام اشفاق احمد یا اخلاق احمد تھا، انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے حضرت کے پیچھے جمعہ پڑھا اس دن حضرت نے مودودی صاحب کے نظریات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مودودی صاحب خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس پر بڑا ملال ہوا اس لیے کہ ان دنوں میرا تعلق مودودی صاحب کی جماعت کے ساتھ تھا، جمعہ کے بعد میں نے مولانا صاحب سے شکوہ کیا تو فرمانے لگے کہ پروفیسر صاحب! آپ پڑھے لکھے ہیں ایک ہی جانب کی کتابوں کا مطالعہ نہ کریں دوسری جانب بھی دیکھیں تو حقیقت آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی، اس بات کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ میں نے مودودی صاحب کے خلاف لکھا جانے والا لٹریچر بھی پڑھنا شروع کیا، جوں جوں پڑھتا گیا مودودی صاحب کی حیثیت واضح ہوتی گئی بالآخر میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ حضرت مولانا صاحب نے جو فرمایا تھا وہی حق ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مولانا صاحب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنایا۔"

[مجلہ صفدر امام اہلسنت نمبر 130، 131]

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس شمارے کے ساتھ مجلہ راہِ ہدایت کا سال مکمل ہو گیا ہے آپ نے مجلہ کو کیسا پایا؟ اپنے تاثرات، تجاویز اور آراء آپ ہمیں واٹس ایپ کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والآخرۃ

طالب دعا طاہر گل دیوبندی واٹس ایپ نمبر: 03428970409

=÷=
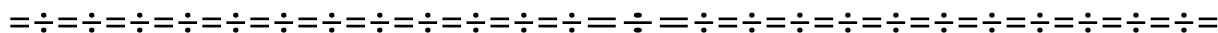
مفتی رب نواز، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ (قسط:۹)

فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع (جلد دوم)

اعتراض:۱۳۹... اکابر دیوبند مقدس ہستیاں نہیں، اس لیے اُن کا وسیلہ جائز نہیں

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن رحمہ اللہ "علماء دیوبند" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے میری بد اعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ پوشی فرما دیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے کردار نصیب فرمائیں۔"

(مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج صفحہ ۲، فضائل اعمال صفحہ ۷۰۲)

محمد طارق خان غیر مقلد نے مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہم پوچھتے ہیں کہ کیا احتشام پر وحی آئی ہے کہ ان کے اکابرین مقدس ہستیاں ہیں... جب ہم غیر نبی کے بارے میں جانتے ہی نہیں کہ اس کا اپنے رب کے یہاں کیا مقام ہے تو پھر اس سے وسیلہ پکڑنا کیا معنی رکھتا ہے حالاں کہ قارئین دیکھ ہی رہے ہیں کہ ان کے اکابرین نے کیسے کیسے غلط عقیدے پھیلا کر امت کو گمراہ کیا یعنی خلاصہ یہ کہ بزرگوں کا وسیلہ اختیار کرنا شرک ہے اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔"

(تبلیغی جماعت عقائد افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۹۹)

الجواب:

(۱) کسی کے مقدس ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی تقدیس پر وحی نازل ہوئی ہو۔ بلکہ دوسرے زرائع مثلاً علمائے حق کی گواہیوں سے بھی کس کا مقدس ہستی ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ ماشاء اللہ علمائے دیوبند کا مقدس ہستیاں ہونا اس قدر مسلّمہ حقیقت ہے کہ علمائے حق تو جہاں رہے خود غیر مقلدین نے بھی اُن کی تقدیس کے گیت گائے ہیں، ثبوت کے لیے بندہ کی کتاب "غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کا خراجِ تحسین" ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) طارق خان نے اکابرین دیوبند کو مقدس ہستیاں ماننے سے اس لیے انکار کر دیا کہ اُن کے مقدس ہونے پر وحی نہیں اُتری۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا کسی کے صاحبِ کمال ہونے پر جب تک وحی نازل نہ ہو تب تک اس کا کمال

نہیں مانا جاسکتا؟ صحابہ کرام میں سے کتنے افراد ہیں جن کے صحابی ہونے کی گواہی وحی نے نہیں دی بلکہ اہلِ تاریخ نے اُن کے صحابی ہونے کو بیان کیا۔ حدیث کے راویوں کے ثقہ ہونے پر بھی وحی نہیں اُتری بلکہ اُن کا ثقہ ہونا محدثین نے بیان کیا۔ تو کیا اُن صحابہ کرام کی صحابیت اور رواۃ کی ثقاہت کا انکار کر دو گے؟

طارق صاحب کی کتاب کے مقدمہ نگار نے خود کو "غیر مقلد" کہا جیسا کہ آگے "تبلیغی جماعت عقائد افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۱۷" کے حوالہ سے آرہا ہے ان شاء اللہ۔ طارق صاحب کے اصول کے پیشِ نظر سوال ہے کہ اُن کے غیر مقلد ہونے پر وحی اُتری ہے؟

طارق صاحب کی کتابیں "تبلیغی جماعت عقائد افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینے میں" وغیرہ معتبر و مستند ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو سوال اُٹھے گا کہ ان کے معتبر و مستند ہونے پر وحی اُتری؟

طارق خان نے بزرگوں کے وسیلہ کو شرک قرار دیا مگر اس کے شرک ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی۔ سب سے پہلے طارق صاحب کو چاہیے کہ شرک کی تعریف کریں اور پھر اس تعریف کے مطابق وسیلہ کو شرک ثابت کریں مگر یاد رہے ایسی بات نہ لکھنا جس کے جواب میں کوئی یوں کہہ دے کہ شرک کی اس تعریف اور وسیلہ کو شرک قرار دینے کے حوالہ سے آپ پر وحی اُتری؟

یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ طارق خان نے وسیلہ کو شرک تو کہہ دیا مگر اس کے شرک ہونے پر نہ تو خود کوئی ثبوت پیش کیا، اور نہ ہی اسلاف کے حوالے نقل کر سکے۔

(۳) طارق صاحب کہتے ہیں:

> "جب ہم غیر نبی کے بارے میں جانتے ہی نہیں کہ اس کا اپنے رب کے یہاں کیا مقام ہے تو پھر اس سے وسیلہ پکڑنا کیا معنیٰ رکھتا ہے"

عرض ہے کہ صحابہ کرام بھی غیر نبی ہیں مگر اُن کا مقدس ہستیاں ہونا وحی / قرآن سے ثابت ہے، اُن کا وسیلہ تو آپ کے اصول کی رُو سے جائز ہونا چاہیے۔

(۴) ہم نے اعتراض: ۱۳۸ کے جواب میں وسیلہ کے جواز پر مدعیان اہلِ حدیث کے حوالے نقل کر دیئے۔ آپ انہیں مشرک کہنے کی ہمت رکھتے ہیں یا یوں گلو خلاصی کریں گے کہ اُن کی بات ہم پر حجت نہیں؟ اُن کی بات کا حجت نہ ہونا اُن سے شرک کے الزام کو رفع کر لے گا؟

=÷=

(۵) طارق صاحب علمائے دیوبند پر الزام لگا رہے ہے کہ انہوں نے غلط عقیدے پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کیا۔ عرض ہے کہ جن عقیدوں کو مخالف نے غلط قرار دینے کی جسارت کی۔ ان کے جواب میں ہماری کتاب ''فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع'' میں موجود ہے۔ طارق خان سمیت پوری غیر مقلدیت میں کوئی دم خم ہے تو اس کا جواب لکھیں۔ ہمیں قوی اُمید ہے بہ شمول طارق خاں کوئی بھی غیر مقلد ہماری اس کتاب کا جواب لکھنے کی ہمت نہیں کر پائے گا ان شاء اللہ۔ اگر کسی نے خانہ پوری کرنے کے لیے کچھ لکھا تو اللہ کے فضل سے منہ توڑ جواب الجواب دینے کی ہم بھر پور تیاری رکھتے ہیں، اللہ اکبر ولہ الحمد۔

یاد رہے کہ علمائے دیوبند کے جن عقائد کو بعض غیر مقلدین نے غلط قرار دیا بعینہ وہی عقائد ہم نے ''فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع'' میں غیر مقلدین کی کتابوں سے جمع کر دیئے ہیں۔ طارق صاحب اور ان کے استاد مولانا عطاء اللہ ڈیروی کی طرف سے بزعم خود اُن کا معتبر ترین جواب صرف یہی ہو گا:

> ''ہم غیر مقلد ہونے کی وجہ سے اپنے یا کسی دوسرے عالم کے کسی غلط فتوی کے ہر گز پابند نہیں بلکہ ہمارے لئے قرآن وحدیث حجت ہے۔''
>
> (تبلیغی جماعت عقائد افکار، نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۱۷)

حالاں کہ یہ جواب نہیں، بلکہ اپنے بزرگوں پر وارد الزامات سے کنارہ کشی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ تاثر دینا ہے کہ ان کے بڑوں نے واقعۃً قرآن وحدیث کے خلاف لکھا ہے۔

مزید عرض ہے کہ خود غیر مقلدین نے علمائے دیوبند کو صحیح العقیدہ اہلِ سنت تسلیم کیا ہے۔ ہماری کتاب ''غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین'' دیکھئے۔

حاصل یہ کہ طارق خان اپنے حواریوں سمیت علمائے دیوبند کو غلط عقیدہ والا ثابت کرنے میں نہ صرف سو فیصد ناکام ہیں بلکہ ان کے دعوے کے برعکس اُن کے اپنے ہی غیر مقلدین نے علمائے دیوبند کو صحیح العقیدہ تسلیم کر رکھا ہے۔ مزید یہ کہ طارق خان وسیلہ کو شرک ثابت نہیں کر سکے۔

(جاری)

=÷=

محترم محمد مدثر علی راؤصاحب

اجماع کی شرعی حیثیت اور غامدی شبہات کے جوابات

اسلامی شریعت کے مصادر اور اسکے دلائل میں سے قرآن مجید اور حدیث شریف کے بعد تیسرا درجہ اجماع امت کا ہے اور اجماع امت کے مصدر اور ماخذ ہونے پر امت اسلامیہ کا اتفاق ہے۔ لیکن غامدی صاحب امت اسلامیہ سے ہٹ کر اپنا ایک الگ مؤقف اپنائے ہوئے ہیں اور اجماع امت کو شریعت اسلامیہ کا ماخذ تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے اجماع کو (جس میں علمائے مجتہدین نے کسی شریعی مسئلہ پر اتفاق کر لیں) دین میں ایک بدعت قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے غامدی صاحب نے اپنے یوٹیوب چینل پر ریکارڈ کروائے گئے لیکچرز میں جو اعتراضات کیے ان کے جوابات ہم آگے چل کر پیش کریں گے اس سے پہلے اجماع امت کی تعریف اور اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

اجماع کی تعریف

"امت محمدیہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے علمائے مجتہدین کا کسی بھی زمانہ میں امور دینیہ میں سے کسی امر پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔" یہ اتفاق قولاً، فعلاً، تقریراً اور سکوتاً بھی ہو سکتا ہے۔

بعض لوگ اجماع کی تعریف پر اعتراض کرتے ہیں کہ "آئمہ دین اجماع کی تعریف پر بھی اتفاق نہیں کر سکے جس کی وجہ سے ہر ایک نے الگ تعریف بیان کی ہے۔" جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ آئمہ دین کا اس حوالے سے کوئی بھی قابل ذکر اختلاف نہیں ملتا بلکہ ایک ہی حقیقت کے اظہار کے لیے ہر اہل علم نے اپنی طبع کے مطابق الفاظ کا بہترین چناؤ کرنے کی کوشش کی ہے جسکا مفہوم سب کے نزدیک ایک ہی بنتا ہے۔

اجماع کن کا معتبر ہے؟

اجماع صرف اہل اجتہاد اور اہل عدالت کا معتبر ہو گا۔ وہ علماء کرام جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچتے انکا اتفاق یا اختلاف اجماع کی اہمیت کے بڑھانے یا کم کرنے کا سزاوار نہیں ہے بلکہ یہ ایک خاص علمی صلاحیت کا تقاضہ ہے۔ جن اہل علم حضرات میں یہ علمی صلاحیت ہو گی وہی اس شعبہ کے اہل ہونگے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

اجماع کی ضرورت کب پیش آئے گی؟

اجماع زمانہ وحی کے اعتبار سے نہیں ہوتا کیونکہ زمانہ وحی میں ہر ایک چیز اہل سرچشمہ شریعت سے براہ راست حاصل ہو رہی ہوتی ہے جس میں بندوں میں کے اتفاق و افتراق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ علمائے مجتہدین کے اتفاق کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب شریعت کسی مسئلہ میں خاموش ہو۔ جب شریعت خود بطور قاضی اور حاکم امت کے ہر مسئلہ کا جائزہ لے رہی ہو اور شارع براہ راست رہنمائی دے رہا ہو تو تب کسی دوسرے کی کیا ضرورت رہے گی۔

"اجماع علی الامر" اور "اجماع علی الحکم"

اجماع کی تعریف میں "**علی الامر**" اور "**علی الحکم**" کو بھی دہرایا گیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی شرعی مسئلہ میں مجتہدین کا اتفاق "**اجماع**" کہلاتا ہے اگرچہ وہ مسئلہ کسی نص شریعت کے مفہوم پر ہو کہ فلاں نص کی مراد کیا ہے یا پھر کسی اجتہادی مسئلہ کی صحت پر ہو۔

اجماع قرآن کی روشنی میں

اجماع کے ثبوت پر درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

آیت 1:

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا۔

(سورۃ النساء:115)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

آیت مبارکہ میں واضح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی مومنوں کی راہ سے ہٹ کر چلے گا اسکا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور اجماع امت مومنوں کا ہی راستہ ہے۔

=÷

آیت2:

وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

(سورۃ بقرہ:143)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واستدل بہ علی حجیۃ الاجماع لان بطلان ما اجمعوا علیہ ینافی عدالتھم

(تفسیر مظہری ج1 ص139)

ترجمہ: اس آیت سے حجیت اجماع پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ امر باطل پر اس امت کا اجماع اس کی عدالت کے منافی ہے۔

آیت3:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ.

(سورۃ آل عمران:110)

ترجمہ: تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی تم نیکی کی تلقین کرتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ آیت کئی وجوہ سے حجیت اجماع پر دلالت کر رہی ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ **کنتم خیر امۃ** کہہ کر اس امت کی تعریف کی گئی ہے اور یہ تعریف کی مستحق اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ حقوق اللہ کو قائم کرنے والی ہو گمراہ نہ ہو (لہذا امت کا ہر فیصلہ حق اللہ کو قائم کرنے کے لیے ہو گا جس کا اتباع سب پر لازم ہو گا)

دوسری وجہ یہ کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ معروف کا حکم دیں گے وہ اللہ کا امر ہو گا (اور اللہ کے امر کا اتباع ہر شخص پر لازم ہے)

تیسری وجہ یہ کہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ نہی عن المنکر کریں گے اور منکر وہ ہے جس سے اللہ نے روکا ہے اور یہ اس صفت کے مستحق اس وقت ہو سکتے ہیں جب کہ یہ اللہ کے ہر حکم پر

راضی ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ امت جس چیز سے روکے گی وہ منکر ہو گی اور جس چیز کا حکم دے گی وہ معروف ہو گی اور وہ اللہ کا حکم ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ کسی گمراہی پر امت کا اجماع نہیں ہو سکے گا اور جس پر اجماع ہو گا وہ اللہ کا حکم ہو گا۔

(احکام القرآن ج2ص53)

درج بالا آیات مبارکہ کو مفسرین کرام نے بھی اجماع کی حجت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔

اجماع حدیث مبارکہ کی روشنی میں

حدیث1:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن تجتمع امتی علی ضلالۃ فعلیکم بالجماعۃ فان ید اللہ علی الجماعۃ.

(مجمع الزوائد ج5ص218ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت ہر گز گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ جماعت کے ساتھ رہیں بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

حدیث2:

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔

(مستدرک حاکم ج1ص117، سنن ابی داود ج2ص299)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جماعت سے ایک بالشت برابر علیحدگی اختیار کی گویا وہ اسلام سے دستبردار ہو گیا۔

حدیث3:

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق۔

(صحیح مسلم باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی طائفۃ من امتی الخ)

=÷=

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔

درج بالا احادیث سے محدثین کرام نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

اجماع عقل کی روشنی میں

اگر عقلی اعتبار سے اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو یہ بات بخوبی واضح سمجھ میں آتی ہے کہ کسی ایک بات پر بغیر کسی اختلاف کے اہل علم حضرات کا اتفاق ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ آئمہ مجتہدین میں کئی کئی مسائل پر اختلاف بھی رہا ہے لیکن جن مسائل پر انہوں نے اتفاق کیا اس میں ان سب نے ایک ہی نتیجہ پایا۔ پھر آخر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ قرآن و حدیث کے گہرے علوم سے واقفیت رکھنے والے تمام آئمہ مجتہدین کا فہم غلطی پر مبنی ہوتا؟ لہٰذا عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ واقعی میں مجتہدین کبھی غلط بات پر اتفاق نہیں کر سکتے البتہ وہ شخص ضرور غلط ہو گا جو ان حضرات کے فہم کو غلط سمجھے گا۔

غامدی شبہات کے جوابات

اعتراض:1

غامدی صاحب نے امت محمدیہ کے اجماع کو نصاریٰ کے اجماع پر قیاس کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ رسول اللہ سے پہلے نصاری کا بھی اپنے باطل عقائد پر اجماع ہو چکا تھا تو کیا قرآن کے مقابلے میں ان کے اس اجماع کی کوئی حیثیت ہے؟ کیا اگر آپ کسی عیسائی کو اسلام کی دعوت دیں گے تو اسے کیا پیش کریں گے؟ قرآن ہی پیش کریں گے اور وہ اگر آپ کو آگے سے اپنے اجماع کا حوالہ دے گا تو پھر آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ اس عیسائی کے اجماع کو قرآن کے مقابلہ پر تسلیم کریں گے؟

جواب:

غامدی صاحب کا یہ اعتراض محض اجماع کی تعریف اور دعوت و تبلیغ کے اصول سے ناواقفیت کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی عیسائی اپنے باطل عقائد کے حق میں اپنے اجماع کو پیش کرے گا تو پھر اصولی طور پر ہم اسے قرآن سے نہیں بلکہ بائبل سے دلیل دے کر اس کے باطل عقیدے کو رد کریں گے۔ کیونکہ قرآن مجید تو کسی بھی عیسائی کے لیے حجت نہیں ہے کہ وہ اسے مسلم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ اگر کسی باطل عقیدے پر

=÷=

نصاریٰ کا اجماع نا بھی ہو تب بھی انہیں قرآن مجید سے نہیں بلکہ انکی اپنی کتاب بائبل سے دلیل دی جائے گی جو کہ ان کے نزدیک قابل حجت ہے ہاں البتہ اتمام حجت کے لیے قرآن کی دعوت بھی ضرور دی جائے گی تاکہ کل قیامت کو کوئی اسکا انکار نہ کر سکے۔

اعتراض:2

غامدی صاحب سے سوال پوچھا گیا کہ ایک وہ قوم نصاریٰ ہے جو کہ آخری پیغمبر کے منکر ہیں اور وہ شرک پر کھڑے ہیں جبکہ دوسری طرف مسلمان قوم ہے جو کہ آخری پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مان رہی ہے اور اپنی الہامی روایت پر کھڑی ہے ان دونوں کا آپ کیسے موازنہ کروا رہے ہیں؟ (اس سوال کا جواب غامدی صاحب نے یہ دیا کہ)....... کیا اس امت (امت محمدیہ۔ناقل) کو کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں؟ وہ بھی (نصاریٰ) کی بھی ایک غیر معمولی تاریخ ہے وہ بھی پچھلے انبیاء کو ماننے والے ہیں۔ کیا آپ کے لیے الگ قانون اور ان کے لیے الگ قانون ہو گا؟

جواب:

اوّل تو غامدی صاحب کا طنزیہ طور پر یہ کہنا کہ "کیا اس امت کو کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں" نہایت ہی لغو اور توہین آمیز جملہ ہے۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے اسے سب سے بہترین امت قرار دیا ہے۔ پھر سب سے بڑی فضیلت کہ اس امت میں تمام انبیاء کرام کے سردار امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رحمت عالم بنا کر بنا بھیجا۔۔ اور غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اس امت کو کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے؟ بہر حال غامدی صاحب کا یہ وطیرہ بن چکا ہے کہ وہ کسی بھی اعلیٰ درجہ کی شے کو چند لمحات میں ٹکے ٹوکری کر جاتے ہیں کہ جیسے اسکی کوئی حیثیت ہی نہ ہو۔

پھر دوسری بات غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ کیا اس امت کے لیے الگ قانون اور نصاریٰ کے لیے کوئی الگ قانون ہو گا؟ ہم کہتے ہیں جی بلکل الگ قانون ہی ہو گا! جیسے نصاریٰ کی شریعت اور اسلامی شریعت ایک جیسی نہیں ہو سکتی ویسے قانون بھی ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا جبکہ اس کے علاوہ دوسری کتب کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے نہیں لیا تو بتایئے کہ کیا اللہ نے دونوں امتوں کیساتھ معاملہ ایک سار کھا یا نہیں؟

=÷

اعتراض:3

غامدی صاحب نے سورۃ النساء آیت 115 میں "مومنین کی اتباع" سے مراد صرف صحابہ کرام کی اتباع کو لیا ہے اور باقی امت کو اس سے خارج قرار دیا ہے۔

جواب:

اوّل تو غامدی صاحب نے خود سے آیت مبارکہ کے مطلق حکم کو صرف صحابہ کرام تک خاص کر دیا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر بالفرض محال سورۃ النساء آیت 115 کی اس تشریح کو مان بھی لیں تو بھی غامدی صاحب اس آیت کے منکر قرار پاتے ہیں کیونکہ غامدی صاحب اس حکم الٰہی کے باوجود صحابہ کرام کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ صحابہ کرام رفع و نزول مسیح کا عقیدہ رکھتے تھے جبکہ غامدی صاحب وفات مسیح کے قائل ہیں، صحابہ کرام کے نزدیک کفر اختیار کرنے والا شخص کافر ہوتا تھا جبکہ غامدی صاحب کے نزدیک کسی کو کافر کہنے یا سمجھنے کا کوئی حق حاصل نہیں، صحابہ کرام کے نزدیک گستاخ رسول کی سزا قتل تھی جبکہ غامدی صاحب اس سزا کے منکر ہیں، صحابہ کرام کے نزدیک مرتد کی سزا قتل تھی جبکہ غامدی صاحب اس سزا کو صرف رسول اللہ کے زمانہ سے خاص مانتے ہیں، ایسے کئی عقائد و نظریات بیان کیے جاسکتے ہیں کہ جن سے غامدی صاحب صحابہ کرام کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں لہٰذا سورۃ النساء آیت 115 کی روشنی میں غامدی صاحب اپنا ٹھکانہ کہاں پر بنتا ہے یہ بخوبی جان سکتے ہیں۔

اعتراض:4

غامدی صاحب نے اپنی کتاب مقامات کے صفحہ 157 پر فقہاء کرام کے کسی مسئلہ پر اجماع کرنے کو دین میں ایک بدعت قرار دیا ہے۔ پھر غامدی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ فقہاء کرام انسان تھے کوئی نبی نہیں تھے لہٰذا ان کے فہم میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ان سے اتفاق ہی کیا جائے۔

جواب:

غامدی صاحب شاید فقہاء سے مراد صرف آئمہ اربعہ کو ہی سمجھتے ہیں جبکہ سب سے پہلے فقیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد سینکڑوں مسائل کو اپنے اجتہاد کی بناء پر حل فرمایا۔ صحابہ کرام بھی آخر غیر نبی ہونے کے باوجود اپنے فہم کی روشنی پر اجماع بھی کیا کرتے تھے،

=÷

جس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1: مثال کے طور پر صحابہ کرام نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا، جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہو اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام نے سیدنا صدیق اکبر کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کو نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؛ لیکن سیدنا صدیق اکبر نے قسم کھا کر فرمایا کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا، یہاں تک کہ میری جان چلی جائے۔

2: تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔

(وہبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج6، ص97)

ان دو واقعات سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام اپنے فہم کی بنیاد کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیتے تھے جبکہ غامدی صاحب کے نزدیک تو دین کا تنہاء ماخذ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اب ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ تابعین کے اجماع کا تو آپ انکار کرتے ہی ہیں تو بتایئے کہ کیا رسول اللہ کے شاگردان مقبول عند اللہ کے اجماع کو بھی رد کر دیں گے؟ اب آپ صحابہ کرام جو کہ غیر معصوم تھے ان کے اجماع کو جس دلیل کی بنیاد پر تسلیم کریں گے ہماری طرف سے بھی وہی دلیل آئمہ اربعہ کے لیے بھی سمجھ لیں۔

=÷=

رب نواز بھٹی (قسط:۴)

غیر مقلدین کے دعویٰ عمل بالقرآن کی حقیقت

قرآن کے ساتھ ستم ظریفی

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد کے متعلق لکھا:

”**وفدینہ بذبح عظیم** کا ٹھیک اثری ترجمہ اور تعبیر یہ ہے کہ ”کوئی بہتر سے بہتر اُضحیہ لے کر ذبح کر دے“ گویا عظیم کا معنیٰ ہے ”بہتر سے بہتر“ اور ذبح کا معنیٰ ہے ”اُضحیہ ‘اور **فدینہ** کا معنیٰ ”ہم نے فدیہ دے کر اسمعیل کو چھڑا لیا“ نہیں ہے بلکہ ”تو ذبح کر دے“ ہے ۔ گویا اثری صاحب نے (ا) **فدینا** کا معنیٰ ذبح کرنا کیا (ب) ماضی کے فعل کو امر میں بدلا (ج) جمع متکلم کے صیغے کو واحد مخاطب میں بدلا۔ ان بلا جواز تبدیلیوں کے بعد آپ نے جو ٹھیک تعبیر بر آمد فرمائی ہے، یہ قرآن کے ساتھ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔“

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۱۳)

قرآنی الفاظ کا مطلب اُلٹ دیا

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد ” اثری صاحب کا اللہ تعالیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل سب پر اتہام“ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

”اب دیکھئے کہ اثری صاحب نے اس مخترعہ ڈرامہ میں اللہ تعالیٰ پر تو یہ اتہام لگایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **ان هذا لهو البلاء المبین** کہ اس میں باپ بیٹا دونوں کی صریح ازمائش تھی یعنی باپ کو یہ یقین تھا کہ میں نے خدا کے حکم کے تحت اپنے پیارے بیٹے کو اللہ کی رضا کے لیے ذبح کر کے قربانی کر دینا ہے۔ اسمعیلؑ کو یہ یقین تھا کہ میں نے ذبح ہو کر ختم ہو جانا ہے۔ باپ بیٹے کے اس یقین ہی پر اللہ تعالیٰ نے اسے بلاء مبین کہا۔ لیکن اثری صاحب اللہ تعالیٰ اور دونوں انبیاء کی نیت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ”جس قانون اور علم کی بنا پر اس کے ذبح کرنے کے لیے اللہ پاک کا ارادہ اور حکم نہیں تھا۔ اس سے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اس نے آگاہ

فرمادیا ہوا تھا (گویا یہ بتلا دیا تھا کہ صرف گلے پر چھری رکھنی ہے، ذبح نہیں کرنا) اس کے خلاف (یعنی اسمعیلؑ کے ذبح ہونے اور کرنے دونوں کے خلاف نہ کوئی ابتلائی حکم ہے اور نہ اس کی تعمیل کی کوئی تیاری۔" (ب ۱۴۵) غور فرمایا آپ نے عصمتِ انبیاء بیان کرنے کی آڑ میں انبیاء کی نیتوں پر کس قدر رکیک حملے کئے جارہے ہیں۔ تاویل کا دھندا تو دوسرے بھی بہت لوگ کرتے رہے اور کرتے رہیں گے مگر قرآنی آیت کے الفاظ کے علی الرغم بالکل اس کا اُلٹ مطلب بیان کرکے ساتھ یہ بھی کہہ دینا کہ ٹھیک اس کا مطلب یا اس کی تعبیر یہ ہے۔ یہ بس اثری صاحب ہی کا حصہ ہے۔"

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۱۳)

قرآن سے کھیل

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے اَثری صاحب کی بابت لکھا:

"قرآن کے ساتھ کھیلنے کا جیسا حق قبلہ حافظ صاحب کو ہے ویسا زید کو بھی ہے، پھر قرآن کا جو حشر ہو سکتا ہے وہ سب سمجھ سکتے ہیں۔"

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ: ۲۲۶)

نصِ قرآن کے خلاف تاویل

شیخ عنایت اللہ اَثری غیر مقلد نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں لکھا:

"برادران یوسف ابھی ضیافت ہی اُڑا رہے تھے کہ تلاشی لینے والے آن پہنچے اور فریقین میں گفتگو شروع ہو گئی۔"

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"اَثری صاحب کی علیحدہ اپنے کمرہ میں ضیافت اُڑانے اور وہیں تلاشی لینے والوں کے آ پہنچنے والی تاویل اس لحاظ سے غلط قرار پاتی ہے کہ جب برادران یوسف اس واقعہ کے بعد واپس کنعان جاتے ہیں تو اپنے باپ کو اس چوری کی یقین دہانی یوں کراتے ہیں کہ: **واسئل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا وانا لصدقون**... اور جس بستی میں ہم تھے وہاں

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

سے (یعنی اہلِ مصر سے) اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں اسی قافلہ سے دریافت کر لیجئے اور ہم (اس بیان میں) سچے ہیں۔ اگر تلاشی کی واردات کمرہ ضیافت میں ہوئی ہوتی تو برادران یوسف کو **والعیر التی اقبلنا** کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

(حاشیہ: عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۲۶)

قرآنی الفاظ "وابیضت عیناہ...اور... فَارْتَدَّ بَصِیْرًا" کی مخالفت

شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد نے دعوی کیا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بے نور نہیں ہوئی تھیں، صرف نگاہ کمزور ہوئی تھی۔ اس پر مولانا عبدالرحمن کیلانی غیر مقلد نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"آپ نے فرمایا ہے کہ "نگاہ کچھ کمزور ہو گئی ہو گی۔" حالاں کہ **ابیضت** کا معنیٰ سفید ہونا یا بے نور ہونا ہے۔ اندھا ہونا (کہ آنکھیں بند ہو جائیں) یا کمزور ہونا نہیں۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت بھی ان معانی کی ہی تائید کر رہی ہے: **فلما ان جآء البشیر القٰہ علی وجھہ فارتد بصیرا** ... پھر جب خوش خبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا جس سے وہ بینا ہو گئے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ کی آنکھیں کمزور نہیں بلکہ بے نور ہو گئی تھیں۔ لیکن حافظ صاحب یہاں بھی اپنی عادت سے باز نہیں آئے۔ لکھتے ہیں: "ان کے ہاتھ والد صاحب کے لیے ایک کرتہ بھی سلوا کر اپنی طرف سے بھیج دیا تا کہ وہ اسے پہن کر خوش ہوں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔" (ص ۱۸۰) گویا **فارتد بصیرا** کا معنیٰ "وہ بینا ہو گیا" کے بجائے یہ ہدایت ہے کہ "آپ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں" یہ ترجمہ غالباً آپ کو اس لیے کرنا پڑا ہے کہ کُرتہ کے منہ پر ڈالنے سے کسی بے نور اور اندھے کا بینا ہو جانا ایک خرق عادت امر ہے جو آپ کسی صورت ماننے کو تیار نہیں۔ اس مقام پر آپ کو اللہ پاک کی قدرت کاملہ بھی یاد نہیں آئی۔ اور ایک تو فعل ماضی کا ترجمہ فعل امر میں منتقل کر دیا۔ دوسرے لغوی معنیٰ کا بھی ستیاناس کر دیا۔ تیسرے قرآنی آیات کا مفہوم بدل دیا اور بزعم خویش ایک نبی کی عصمت بیان کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔"

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۲۹)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

قصہ موسی وخضر... اور... اثری صاحب کی طرف سے کتاب وسنت کی مخالفت کا ایک نمونہ

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اَب دیکھئے کتاب و سنت کی اس وضاحت سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:
ا۔ مردہ مچھلی کا زندہ ہونا اور (۲) دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بنانا۔ اور یہ دونوں باتیں چوں کہ خرقِ عادت ہیں۔ لہٰذا اثری صاحب اہلِ حدیث کہلانے کے باوجود ان دونوں باتوں کے منکر ہیں اور جس طرح تاویلات کے سہارے لینے شروع کر دیئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں....''

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۳۱)

تنبیہ: کیلانی صاحب کی اس عبارت میں اعتراف موجود ہے کہ عنایت اللہ اثری صاحب اہلِ حدیث کہلواتے تھے۔ کیلانی صاحب نے دوسری جگہ خود اَثری صاحب کا اقرار ''میں **بفضلہ** اہلِ حدیث ہوں'' نقل کیا۔
(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۳۳)

کیلانی صاحب نے اَثری صاحب کی ایک عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''گویا آپ نے اہلِ حدیث ہونے کی رعایت سے مد وجزر والی بات کو ٹھیک نہیں سمجھا۔''

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۳۳)

فائدہ: جس طرح غیر مقلدین اپنی تاریخ کو مقدم جتلانے کے لیے ماضی کی کئی شخصیات کو ''اہلِ حدیث'' باور کراتے ہیں۔ اسی طرح شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد بھی بہت پیچھے چلے گئے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دَور میں بزعمِ خود ایک اہلِ حدیث ڈھونڈ نکالا۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''اِدھر سامری نے موقع پا کر اسرائیلیوں میں ایک بچھڑا کھڑا کر دیا تاکہ وہ اس کی پرستش کریں۔ یہ شخص پہلے بہ ظاہر اہلِ حدیث کہلاتا تھا اور موسوی حدیثوں اور فرامین پر عامل تھا مگر بعد میں بچھڑے کی طرف متوجہ ہو کر گدی نشینی شروع کر دی اور عبد اللہ چکڑالوی کی طرح حدیث نبوی کا منکر ہو کر مرتد ہو گیا۔''

(ب صفحہ ۲۱۷ بحوالہ عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۴۰)

''ب'' سے مراد شاید اثری صاحب کی کتاب ''بیان المختار'' ہے۔

=÷

یاد رہے کہ عبد اللہ چکڑالوی بھی پہلے اس گروہ میں سے تھا جو خود کو اہلِ حدیث کہلواتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی صریح مخالفت کا ارتکاب

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اَب دیکھئے کہ اثری صاحب کس طرح خضر کو ایک عام آدمی یا علاقہ مجسٹریٹ کی سطح پر لے آئے ہیں۔ اس سے اِعجازی حیثیت تو ختم ہو گئی مگر افسوس ہے کہ آپ کی اس تعبیر کا نہ قرآن ساتھ دیتا ہے، نہ حدیث۔ حدیث کا جس طرح آپ نے صریح انکار کیا ہے وہ آپ دیکھ چکے۔ اب دیکھئے کہ جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے علم بخشا تھا اور خضرؑ نے خود بھی موسیٰ کو فرمایا تھا کہ مجھے ایک ایسا علم دیا گیا ہے جو آپ کو نہیں دیا گیا۔ کیا یہ تمام باتیں ایک عام آدمی یا مجسٹریٹ سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ اللہ پاک تو ان یتیموں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”وہ بڑے ہو کر باپ کر خزانہ نکال لیں گے۔“ اور اثری صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میں ان لڑکوں کا متولی ہوں ”جب یہ لڑکے بڑے ہو جائیں گے تو ان کو خزانہ نکال دوں گا۔“ اپنی بات کی پیچ میں آکر اس طرح قرآن وحدیث کی صریح مخالفت اثری صاحب کا ہی حصہ ہو سکتا ہے۔“

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۳۶)

قرآن وحدیث کے ظاہری معانی پر عدم اعتماد

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے اثری صاحب کے متعلق لکھا:

”غور فرمایئے کس طرح آپ نے باطنی فرقوں کی طرح ہر لفظ کی تہہ سے معانی نکالنے شروع کر دیئے ہیں، نہ قرآن وحدیث کے الفاظ کے ظاہری معانی پر اور نہ ہی کسی لغت کی کتاب پر اعتماد رَہ گیا ہے۔“

(عقل پرستی اور انکار معجزات صفحہ ۲۳۶)

=÷

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ (قسط:۳)

قرأۃ فی الجنازہ مکروہ تحریمی

حافظ نورپوری صاحب غیر مقلد نے اپنا مدّعیٰ ثابت کرنے کے لئے دوسری بے بنیاد اور خالی از دعوی تامہّ ایک حدیث پیش کی ہے جس کی الفاظ اور ترجمہ خود انہی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے

چنانچہ نورپوری صاحب "نماز جنازہ کا نبوی طریقہ حدیثِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما" کا عنوان دے کر یوں حدیث کے الفاظ بمع ترجمہ لکھتے ہیں:

"صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِيَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ"

(صحیح البخاری:1335)

میں (طلحہ بن عبد اللہ بن عفو تابعی) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں ایک نماز جنازہ ادا کی آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی۔ (جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا ہے تو) فرمایا: اس لئے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت (محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ) ہے۔

اور پھر تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں واضح طور پر صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما" نے جنازہ میں س سورۃ فاتحہ کی قرأت کو سنت نبوی قرار دیا ہے" (نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ ص33)

مختصر اور اصولی جواب:

اولاً: عرض ہے کہ موصوف نے جو عنوان قائم کیا ہے "نمازِ جنازہ کا نبوی طریقہ حدیثِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے" تو اس حدیث میں جنازہ کا طریقہ کہاں ہے اس میں تو جنازے کا آدھا طریقہ بھی نہیں ہے اس میں تو صرف سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا تذکرہ ہے لہٰذا حدیث سمجھ کر عنوان قائم کیا کریں کیونکہ باب اور عنوان کسی کے فقاہت اور سمجھ داری کا عکس اور ثبوت کا پتہ دیتی ہے۔

=÷=

ثانیاً: قارئینِ کرام! گزشتہ پچھلی قسط میں غیر مقلدین کے دعوے کو بغور دیکھنے سے خوب واقف ہو چکے ہیں کہ غیر مقلدین کا اس موضوع کی مناسبت سے کیا دعویٰ ہے اور دلیل کونسی لائی ہے ہر شخص دعویٰ اور دلیل میں تطابق اور وزن دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے ان شاء اللہ۔

تاہم اگر کسی نے غیر مقلدین کا وہ دعویٰ نہ پڑھا ہو یا غیر مقلدین اپنا دعویٰ بھول گئے ہیں تو یاد دہانی کے لئے ایک بار پھر یہاں ذکر کرتے ہیں تاکہ سب پڑھنے والے حضرات جان لیں کہ دعویٰ اور دلیل میں کتنی مطابقت اور کتنی وزن ہے۔ چنانچہ ہم نے گزشتہ صفحات (مجلّہ راہِ ہدایت شمارہ نمبر 11 صفحہ نمبر 65) میں ان کا دعویٰ ان کے کتابوں کی روشنی میں یوں لکھا تھا کہ ان کی دعویٰ کی چار اجزاء بنتی ہیں لہذا ہم ان سے انہی کی کے کتب کی روشنی میں یوں دلیل کا مطالبہ کریں گے کہ:

۱: ایک ایسی صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کریں جس میں حضور ﷺ کا حکم ہو۔

۲: کہ امام کے لئے جنازے میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ کی قرأت فرض ہے۔

۳: اور مقتدی کے لئے صرف سورۃ فاتحہ بطورِ قرأت فرض ہے

۴: اس کے بغیر نماز باطل و کالعدم ہے،

پس غیر مقلدین حضرات کے لیے وہ دلیل کافی اور معتبر ہوگی جس میں مندرجہ بالا چار شقیں موجود ہو ورنہ اس میں ایک شق بھی معدوم ہونے کی صورت میں وہ دلیل تام متصوّر نہ ہوگی۔

(مجلّہ راہِ ہدایت شمارہ نمبر 11 صفحہ 65)

اب غور کریں کیا اس حدیث میں غیر مقلدین کی دعویٰ کے یہ چار اجزء مل سکتی ہیں؟

۱: اس میں پہلی جزء یعنی نبی کریم ﷺ کا صریح "حکم" کہاں ہے؟ ("حکم" کی تخصیص اس لئے کہ غیر مقلدین کے نزدیک "فعل" سے وجوب ثابت نہیں ہوتی **سیأتی التفصیل فی موضعہ ان شاء اللہ الرحمن**)

۲: اس میں امام کے لئے "قرأۃ کاملہ" کہاں ہے (یعنی سورتِ فاتحہ کی قرأت اور اس کے ساتھ مزید کوئی اور سورۃ) یہاں تو صرف سورۃ الفاتحہ کا تذکرہ ہے۔

۳: یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ اور وہ بھی بطور "قرأت" کا تذکرہ کہاں ہے؟ ہمارا اختلاف نفسِ فاتحہ میں ہے یا فاتحہ بطورِ قرأت پڑھنے میں ہے؟ خدارا کچھ انصاف سے کام لیا کریں۔

=÷=

۴: اس میں فرضیت اور اس کے بغیر نماز کے باطل اور کالعدم ہونے کا ذکر کہاں ہے؟

آخر اپنی باطل افکار اور بدعی مذہب کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کے لئے غیر متعلق حدیث کو مستدل بنانے اور عوام کو ناخبری میں مبتلاء کرنا، کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے؟ عوام کو آپ لوگ تو ورغلائینگے لیکن اللہ رب العالمین کی دربار میں کیا جواب دیں گے؟

تفصیلی و تحقیقی جواب:

یہ حدیث چند وجوہات کی بنا پر کسی طرح بھی غیر مقلدین کا دلیل نہیں بن سکتا۔

۱: دعوی اور دلیل میں مطابقت نہیں

۲: آپ حضرات اس کو فرض کہتے ہو (دیکھئے آپ (نور پوری صاحب) کی کتاب صفحہ ۲۳ وغیرہ) جبکہ آپ ہی کے مسلک کے محقق، مفتی و مناظر عبد القادر حصاری صاحب لکھتے ہیں

"فرض دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت سے ثابت ہوا کرتا ہے"

(فتاوی حصاریہ ج2 ص213)

قطعی الثبوت قرآنی آیت یا حدیث متواتر کو کہتے ہیں اور قطعی الدلالت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دعوے پر جو دلیل پیش کی ہے وہ حدیث اور دلیل اپنے مدلول پر پوری دلالت کرنے والی ہو۔

تو عرض ہے کہ آپ ابنِ عباسؓ کی حدیث مذکورہ صفت کے ساتھ متصف ثابت کریں دیدہ باید۔۔۔!

۳: یہی مکمل روایت نسائی شریف میں ہے جب اس حدیث کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا اُس وقت عام رواج نہیں تھا جب ابنِ عباسؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس کے شاگرد طلحہ بن عبد اللہؒ نے ان کو بازو سے پکڑ کر تعجب انداز میں پوچھا کہ یہ کیا کیا؟

تو دیکھے اگر فاتحہ پڑھنا اس وقت عام معمول تھا اور غیر معروف طریقہ نہ تھا تو اتنی تعجب انداز میں صحابہ کرامؓ کی دور میں زندگی گزارنے والے شخص سے اتنی عام مسئلہ کیسے مخفی رہ جاتا۔۔۔؟ جبکہ وہ زمانہ جہادی دور بھی تھا جنازوں کی کثرت ہوتی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ ناآشنا اور غیر معروف طریقہ تھا تو ابن عباسؓ نے اسے گویا سمجھایا کہ بیٹا یہ طریقہ بھی درست اور حق ہے یعنی ثناء صرف **سبحانک اللھم ۔۔ الخ** الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہ صرف "**الھم باعد بینی و بین خطایای۔۔الخ** کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ سورۃ الفاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں

=÷=

اور سورت فاتحہ کا پڑھنا غیر معمول بہا مسئلہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام مالکؒ (المتوفی: 179ھ) جیسے مفتی المدینہ بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"**لیس ذالک بمعمول بہ ببلدنا انما ھوالدعاء، أدرکت أھل بلدنا علی ذالک**"

(المدونۃ الکبری ج1 ص174، عمدۃ القاری وغیرہ)

یعنی جنازہ میں فاتحہ پڑھنے پر ہمارے شہر (مدینہ) میں عمل نہیں ہے کیونکہ یہ تو دعا ہے (کوئی حقیقی نماز تو نہیں ہے کہ اس میں قرأت کی جائے، ناقل) اور میں نے مدینہ کے لوگ اسی عمل پہ پایا ہے۔

اور مکہ مکرّمہ کے مفتی اعظم اور بقول غیر مقلدین کے دو سو صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف پانے والا (فتاوی اصحاب الحدیث ج2 ص120) عطاء بن ابی رباحؒ (المتوفی: 115ھ) سے جب سورۃ فاتحہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ حیران ہو کر فرمایا "**ماسمعنا بھذا**" (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص299) کہ ہم نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا کبھی سنا ہی نہیں۔

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں کوئی فاتحہ کی قرأت کی فرضیت کا قائل ہی نہیں تھا لہذا غیر مقلدین کو اس حدیث سے غلط فہمی لگی ہوئی ہے۔

۴: صحابہؓ یا تابعینؒ میں سے کسی نے ابن عباسؓ کی اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ کی قرأت کی فرضیت پر استدلال نہیں کیا ہے۔ کیا غیر مقلدین صحابہؓ و تابعینؒ سے زیادہ عاملین بالحدیث ہیں؟

خود آپ ہی کی زبانی پچھلے صفحات میں بھی ہم عرض کر آئے ہیں کہ آپ کو آپ ہی کے استاذ امن پوری صاحب نے انٹریو کے دوران یہ بات کہی تھی کہ

"میں تو یہاں تک کہہ دیتا ہوں حافظ صاحب، کہ اگر مجھے کوئی قرآن مقدّس کی ایک ہزار آیاتِ بینات بھی پیش کریں اور وہ اپنی مطلب میں بالکل واضح ہو لیکن سلف صالحین نے اُس کے خلاف مسئلہ ثابت کیا ہو تو میں کہونگا کہ قرآن تو حق ہے لیکن میرا فہم صحیح نہیں ہے فہم سلفِ صالحین یا ائمہ دین کا صحیح ہے"

اور اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں

=÷=

"فہم کتاب وسنت کی واجب ہے **علی فہم السلف**"

(الحق الصریح ج1 ص510 ط: قدیم، ص484 ط: جدید)

تو عرض ہے کہ وہ اسلاف (آپ کے نزدیک سلف صالحین سے مراد صحابہ و تابعین ہے، دیکھے الحق الصریح ج3 ص212 و491 وج6 ص578) ذکر کریں جنہوں نے اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی فرضیت پر استدلال کیا ہو ورنہ اپنی دعوی کو بے دلیل ہونے کی وجہ سے ردی کے ٹھوکری میں پھینک دے۔ ہے کوئی مائی کا لعل غیر مقلد جو خیر القرون میں ایک ہی اپنا ہمنوا تلاش کر کے ایک من کھجور انعام میں حاصل کرلے!

۵: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا حکم وامر تو کجا اس میں فعلِ نبوی ﷺ بھی نہیں ہے بلکہ اس میں تو فعلِ صحابیؓ کا ذکر ہے اور صحابیؓ کا قول غیر مقلدین کے نزدیک بالاتفاق حجت نہیں اگرچہ وہ قولِ صحابیؓ شریعت کے خلاف نہ ہو تب بھی غیر مقلدین کے مذہب میں قولِ صحابیؓ حجت نہیں ہے تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ!

البتہ "**من السنۃ**" سے مراد حکمِ نبوی ﷺ کی تحقیقی جائزہ آگے ملاحظہ فرمائیں ان شاء اللہ!

۶: البتہ آپ نے جو "**من السنۃ**" کہہ کر یہ کہا ہے کہ محدثین کے نزدیک اس سے حدیث مرفوع مراد ہے تو آپ کے علم میں یہ ہونا چاہیے کہ یہ اتفاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اختلافی مسئلہ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ! جب یہ مسئلہ اختلافی ہوا تو احتمالی ہوا جب اس میں احتمال آیا تو غیر مقلدین کے نزدیک اس سے استدلال باطل ہے، غیر مقلدین کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

۱: غیر مقلدین کے محقق مولانا ابو عدنان منیر قمر صاحب لکھتے ہیں

"اور معروف قاعدہ ہے کہ احتمال کے وجود سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے"

(نماز تراویح فضائل وبرکات تعداد رکعات ازالہ شبہات ص53)

۲: غیر مقلدین کے مشہور شارح مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب (المتوفی: 1353ھ) نے بھی یہ قاعدہ لکھی ہے

"پس اس حدیث سے غسلِ **لحیہ مسترسلہ** کے وجوب پر استدلال ہرگز صحیح نہیں **لانہ اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال**" (فتاوی عبد الرحمن مبارکپوری ص131)

۳: دوسری کتاب میں بھی یہی قاعدہ مرقوم ہے (دیکھے مقالات محدث مبارکپوری ص182)

=÷=

۴: ایک اور مشہور شارح شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:1329ھ) لکھتے ہیں

”لہٰذا اس حدیث پر احتمالِ ضعف موجبِ کلیہ مسلّمہ "**اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال**" ہو گیا“

(مجموعہ مقالات و فتاوی علامہ شمس الحق عظیم آبادی ص330)

۵: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد ایک بحث کے دوران لکھتے ہیں

"**فلااستدلال مع الاحتمال**"

(فتاوی الدین الخالص ج1 ص69)

خلاصہ یہ کہ اس میں احتمال آنے کیوجہ سے غیر مقلدین کی اُصول کی روشنی میں استدلال باطل ہے۔

۷: سب روایات پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو اس سے یہ بات خلاصۃً نکلتی ہے کہ اس سے سنتِ اصطلاحی مراد نہیں (خود نورپوری صاحب نے بھی اعتراف کیاہے دیکھئے صفحہ 137 الحمدللہ) اور نہ یہ سورتِ فاتحہ بطورِ قرآت ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد جس طرح مخصوص الفاظ کے ساتھ (**سبحانک اللھم---الخ یا اللھم باعد بینی--- الخ**) پڑھ سکتے ہیں اسی طرح اس مشہور ثناء کے الفاظ کے بجائے سورۃ الفاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں تو یہ بھی ایک طریقہ ہے صرف یہی ثناء مخصوص و متعین نہیں ہے کیونکہ امام بخاریؒ کے استاذ گرامی امام ابو بکر ابن شیبہؒ (المتوفی:235ھ) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے

"عَنِ ابْنِ عَبَّاس أَنَّهُ كَانَ يَجْمَعُ النَّاسَ بِالْحَمْدِ وَيُكَبِّرُ عَلَى الْجَنَازَةِ ثَلَاثاً"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج3 ص183)

ابن عباسؓ لوگوں کو جنازے پر حمد وثناء اور تین تکبیر (بغیر تکبیرِ تحریمہ) پر جمع کئے تھے۔

دیکھئے جناب! یہاں قرآت ذکر نہیں کیا بلکہ حمد و ثناء ذکر کیا معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ قرآت کے قائل نہیں تھے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ابنِ عباسؓ کا اجتھاد تھا کہ کعبہ معظّمہ میں جو نماز پڑھی جاتی ہے تو وہ صرف تکبیر و تحمید ہر مشتمل ہوگی اس میں رکوع وغیرہ نہ ہوگی، ابنِ عباسؓ جب اپنے شاگردِ رشید ابو حمزہؒ کو کعبہ میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتلا رہاہے تو اسکو فرماتے ہیں کہ جیسا کہ جنازے کی نماز پڑھتے ہو اسی طرح کعبہ میں نماز بھی پڑھو، روایت یوں ہے:

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

"عن أبی حمزة عن ابن عباس قال قلت لہ كيف أصلی فی الكعبۃ قال كماتصلی فی الجنازة تسبح وتكبر ولاتركع ولاتسجد"(فتح الباری ج3 ص592)

امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں

"وسنده صحيح"(الحق الصریح ج6 ص512)

تو ابن عباسؓ کے اجتہاد کے مطابق کعبہ کی نماز پڑھنے میں " قرأت "رکوع اور سجدہ نہیں ہے تو اسی طرح جنازہ میں بھی" قرأت "رکوع اور سجدہ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ یہاں سورتِ فاتحہ بطور قرأت نہیں بلکہ ثناء کی ایک طریقہ کے طور پر بتلا رہا ہے

۸: جب خود ابنِ عباسؓ کے عمل کی روشنی میں ثابت ہو چکا کہ جنازہ میں قرأت نہیں ہے تو یہاں ابن عباسؓ اپنی روایت کے خلاف عمل کیا تو یہ کیسی حجت ہو سکتی ہے کیونکہ یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کریں تو یہ حجت نہیں ہو گی۔

(دیکھیے فتح الباری ج1 ص223و669، عمدة القاری ج7 ص51، شرح السنۃ ج5 ص654)

بلکہ خود غیر مقلدین کو بھی یہ قاعدہ مسلّم ہے مختصراً صرف دو حوالے موقعہ کی مناسبت سے ملاحظہ کیجئے:

ا: شیخ محمد حیات سندھیؒ کو غیر مقلدین اپنا ہم مسلک اور پکا اہلحدیث قرار دیتے ہیں اور موصوف کو اپنی کتب میں خوب خراجِ تحسین پیش کیا ہے اختصاراً دیکھیے (تحریکِ اہلحدیث ص157 از قاضی محمد اسلم غیر مقلد، تنقیدِ سدید ص39 از بدیع الدین راشدی صاحب، پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدماتِ حدیث ص19 از مولانا ارشاد الحق اثری صاحب، اہل حدیث ایک صفاتی نام ص128 از زبیر علی زئی غیر مقلد، آثارِ حنیف ج4 ص251، خطباتِ راشدیہ ص76 وغیرہ)

تو اسی شیخ محمد حیات سندھیؒ سے ابو یزید عبد القاہر غیر مقلد ایک حوالہ نقل کرتے ہیں کہ

"وأصل علمائنا اذاخالف الصحابی مرویہ فھویدل علی نسخہ"

(التحقیقات فی ردّ الھفوات ص159)

کہ ہمارے علماء کے یہ اصول ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کریں تو یہ نسخ پر دلالت کرتی ہے۔

۲: اور امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد بھی ایسا قاعدہ لکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں

=÷

"**والراوی اذا فعل بخلاف ماروی بیقین سقط العمل بہ**"

(فتاوی الدین الخالص ج7 ص166)

جب راوی کا یہ روایت اپنی عمل کے خلاف ہے (یعنی خود قرأت نہ کرنے کا عامل ہو) تو یہ غیر مقلدین کے اُصول کے مطابق بھی کالعدم ہو گیا۔ پس یہ دلیل بھی غیر مقلدین کے لئے قابلِ استدلال نہ ہوئی الحمدللہ۔

۹: غیر مقلدین کے محقق ابو یزید عبد القاہر صاحب ایک حوالے کے متعلّق لکھتے ہیں

"امام سیوطی نے جس موقوف کی بات کی ہے کہ وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے وہ صحابی کا یہ قول "**امرنا و نھینا**" اور دوسری قسم وہ موقوف جو مرفوع کے حکم میں نہیں ہے یہ وہ ہے جو اضافت نہ کریں رسول اللہ ﷺ کے فعل یا قول یازمانے کو تو اس موقوف میں حجت نہیں ہے"

(**التحقیقات** ص519)

ابو یزید غیر مقلد کے اس حوالے سے معلوم ہوا کہ صحابی کے قول میں جب تک رسول اللہ ﷺ کی طرف اضافت نہ ہوئی ہو تو وہ حجت نہیں۔ تو اس حدیث میں بھی اضافت موجود نہیں ہے تو غیر مقلدین ہی کے قول کے مطابق یہ روایت غیر مقلدین کیلئے قابلِ استدلال ہے ہی نہیں **فللہ الحمد والمنۃ**

۱۰: اس میں تو صرف سورۃ الفاتحہ کا ذکر ہے یہ تو آپ حضرات کے بھی خلاف ہے آپ لوگ تو فاتحہ کے ساتھ مزید سورت پڑھنے کے بھی قائل ہیں۔

۱۱: اس میں فرضیت کا حکم کہاں ہے؟

آپ ہی کے مسلّم اور آپ کی کتاب پر تقریظ لکھنے والا زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"یہ ثابت کریں کہ یہ لوگ بیس رکعتیں "سنت مؤکدہ" سمجھ کر پڑھتے تھے"

(تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص78)

تو ہم بھی آپ سے آپ ہی کے اصول کے مطابق سوال کرتے ہیں کہ یہ ثابت کریں کہ ابنِ عباسؓ "**فرض**" سمجھ کر پڑھتے تھے دیدہ باید۔۔۔

اسی طرح امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے لکھا ہے کہ

=÷

"(جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات) ابنِ مسعود کی حدیث صحیح ہے جو ترمذی، طبرانی وغیرہما نے نقل کی ہے۔۔۔(لیکن) ابن مسعود نے تو یہ نہیں کہاہے کہ میں یہ **"سنت"** سمجھ کر پڑھ رہا ہوں۔۔۔بلکہ **"نفل"** کے طور پر کر رہے تھے"

(نماز جمعہ سے پہلے سنت کی حیثیت ص7، نیز دیکھے ص12 پشتو)

تو یہاں بھی آپ سے مطالبہ ہے کہ ابنِ عباسؓ سے یہ بطور **"فرض"** اور نہ پڑھنے والے کی نماز کو **"باطل"** تصوّر کرتے ہوئے ثابت کرے۔ ہے کسی غیر مقلد میں ہمت۔۔۔؟

۱۲: یہ صحابیؓ کا قول ہے اور صحابیؓ ہی نے **"سنۃ"** کہاہے جبکہ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد اپنی کتاب میں جابجا لکھاہے کہ

"موقوف حدیث پر کبھی بھی سنت ثابت نہیں ہو سکتی"

(دیکھے نماز جمعہ سے پہلے سنت کی حیثیت ص7و8و12، الحق الصریح ج5 ص209)

تو صحابی کی قول(خواہ وہ **"من السنۃ"** کہے یا جو بھی بدون الاضافۃ قول وفعل کہے) غیر مقلدین کے لئے حجت نہیں، اگر غیر مقلدین کے ساتھ جناب نبی کریم ﷺ کے قول، حکم وامر ہو تو پیش کریں ورنہ اپنے عوام سے "واہ واہ" حاصل کرنے کی ناکام کوشش مت کیجیئے۔

۱۳: اس میں جنازے کی نماز "باطل وکالعدم" کی تو کوئی تصریح بلکہ اشارہ تک نہیں ہے لہذا یہ آپ روایت آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۴: اس میں سورۃ الفاتحہ بطورِ قرآت ہے یا بطورِ ثناء۔۔۔؟ اس میں تو اس کی تعیین بھی نہیں ہے اور نفسِ فاتحہ میں جھگڑا اور اختلاف نہیں، پس اس میں احتمال آیا کہ یہ بطورِ قرآت ہے یا بطورِ ثناء۔۔ تو آپ ہی کے اصول سے اس سے استدلال باطل ہوا **کما مر بالتفصیل**

۱۵: اگر یہ حدیث غیر مقلدین کے حق میں تسلیم بھی کیا جائے بالفرض، تو اس میں فاتحہ کو تو **"سنت"** کہا گیا ہے فرض وواجب تو نہیں کہا گیا غیر مقلدین اس کو فرض کیسے کہتے ہیں؟

۱۶: غیر مقلدین کے نزدیک تو سنت چھوڑنے والا گنہگار نہیں اور عند اللہ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں جیساکہ مولانا محمود احمد میرپوری صاحب غیر مقلد کی فتاویٰ میں یوں عنوان قائم ہے

=÷

"سنن مؤکدہ کی حیثیت کیا ہے؟"

پھر اس کے تحت یوں سوال درج ہے سائل کا،

سوال: تارک سنتِ مؤکدہ گناہ کا مرتکب ہو گا یا نہیں؟

تو میرپوری صاحب نے جواب تو بہت تفصیلی دیا ہے لیکن آخر میں (**بزعمہ**) دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"ظاہر ہے اگر سنتیں لازم ہوتیں تو ان کے ترک سے گناہ لازم آتا تو آپ سے موقع پر اس کی وضاحت ضرور فرماتے۔۔۔ سنن کے تارک کو گنہگار یا معصیت کا مرتکب قرار نہیں دیا جاسکتا"

(فتاوی صراط مستقیم ص 181 تا 183 مکتبہ قدوسیہ لاہور)

اور اسی طرح غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں

"سنتوں کی وضع رفع درجات کے لئے ہے ترکِ سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخذہ نہیں ہو گا"

(فتاوی ثنائیہ ج1 ص626)

تو اب عرض یہ ہے کہ جب اس حدیث میں "**سنت**" کا تذکرہ ہے اور سنت کے تارکین پر آپ کے مذہب میں کوئی مؤاخذہ نہیں تو جنازہ میں قرأت نہ کرنے والوں کی نمازوں کو باطل و کالعدم پھر کیوں کہتے ہو، اپنی عاقبت کی بھی کچھ سوچ لیا کریں یہ دنیا فانی ہے اپنی عزت کی خاطر آخرت کو تباہ نہ کریں۔

۱۷: اس روایت میں سفیان ثوریؒ (المتوفی: 161ھ) راوی بھی موجود ہے اور اس کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے یعنی خود سفیان ثوریؒ بھی جنازہ میں قرأت نہیں کرتے:

أن الثوری کان یری ان لایقرأ فی الصلوۃ علی الجنازۃ شئ من القرآن انما ھو ثناء علی اللہ تعالی و دعاء"

(فقہ سفیان الثوری ص585)

سفیان ثوریؒ جنازے کی نماز میں قرأت کرنے کے قائل نہیں تھے (بلکہ وہ کہتے) کہ یہ تو ثناء ہے اور دعا ہے (کوئی حقیقی نماز تو نہیں کہ اس میں قرأت کی جائے)

اور حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی: 563ھ) فرماتے ہیں:

"وقال الثوری یستحب أن یقول فی اوّل تکبیرۃ سبحانک اللھم وبحمدک

=÷=

(الاستذکار ج3 ص566)

سفیان ثوریؒ فرماتے کہ پہلی تکبیر میں (قرأت کے بجائے) **سبحانک اللھم وبحمدک** کہنا مستحب ہے۔

اور امام ترمذیؒ (المتوفی: 279ھ) فرماتے ہیں

"**وقال بعض اھل العلم لایقرأ فی الصلوۃ علی الجنازۃ انما ھو ثناء علی اللہ والصلاۃ علی النبیﷺ والدعاء للمیت و ھو قول الثوری وغیرہ من أھل الکوفۃ**" (ترمذی ج1 ص122)

بعض اہلِ علم (محدثین و مجتہدینؒ) فرماتے ہیں کہ جنازے کی نماز میں قرأت نہیں کی جائیگی کیونکہ اس میں تو اللہ کی ثناء (پڑھی جاتی) ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود (پڑھی جاتی) ہے اور میت کے لئے دعاء ہے یہ اہلِ کوفہ (کے محدثین و مجتہدین) اور (خصوصاً عظیم المرتبت محدّث) سفیان ثوری (جیسے اہلِ علم) کا قول ہیں۔

تو یہاں امام ترمذیؒ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ واقعی سفیان ثوریؒ قرأت کے قائل نہیں تھے۔ اور کوفہ کے اہلِ علم کا بھی یہ قول ہے بحوالہ مولانا عبد الرؤف صاحب غیر مقلد بقولِ امام بخاریؒ کوفہ میں اہل علم و اہل فضل جمع تھے اور اشاعتِ حدیث کے بڑا مرکز تھا" (**نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری** ص48) اور ابن بطال، علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ بھی کہتے ہیں کہ واقعی سفیان ثوریؒ قرأت کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ خود غیر مقلدین کی کتابوں میں بھی موجود ہے جیسا کہ غیر مقلدین کے "فضیلۃ الشیخ مولانا ابو صہیب محمد بن عبد الرحمن صاحب" لکھتے ہیں

"جنازہ میں سورت الفاتحہ نہ پڑھنی چاہیے او نہ قرآن کریم پڑھی جائیگی بلکہ جنازہ ثناء اور دعاء ہے یہ قول "امام سفیان ثوری"، اوزاعی ابو حنیفہ مالک رحمہم اللہ کا ہیں اور اس پر عبد اللہ بن عمر، عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہم نے قول کیا ہے"

(د جنازی احکام او مسائل ص282)

جب راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل ثابت ہوا تو گزشتہ قاعدے کے مطابق یہ روایت غیر مقلدین کے لئے قابلِ استدلال نہ ٹھہرا، **فافھم و تدبّر**

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

۱۸: اسلافؒ نے بہت سے چیزوں کو سنت کہا ہے لیکن غیر مقلدین اسکو قولاً یا عملاً سنت کہنے کے لئے تیار نہیں مثلاً

۱: سفیان الثوریؒ نے اول تکبیر میں **سبحانک اللهم** کو مستحب (سنت غیر مؤکدہ) کہا ہے:

"وقال الثوری یستحب أن یقول فی اوّل تکبیرة سبحانک اللهم وبحمدک"

(الاستذکار ج3 ص566)

غیر مقلدین اس کو سنت تو کجا بلکہ ظلم کی انتہاء اس کو بدعت کہتے ہیں العیاذ باللہ!

۲: ڈاکٹر شفیق الرحمن صاحب غیر مقلد نے ایک حدیث نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یوں نقل کیا ہے

"سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورتِ فاتحہ اور دعائیں آہستہ پڑھی جائیں" (سنن النسائی ج1 ص281)

(دیکھے نماز نبوی ص367)

اسکی تخریج میں زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حدیث کو "صحیح" کہا ہے (ایضا)

اور عبد الرحمن مبارکپوری صاحب نے بھی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

"اسناد اس حدیث کی صحیح ہے" (کتاب الجنائز ص53)

اور امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے بھی یہ حدیث نقل کر کے آخر میں لکھا

"فهذا الحدیث یدل علی مسئلتین: أن الاسرار سنة...الخ"

(فتاوی الدین الخالص ج7 ص167)

کہ یہ حدیث دو مسائل پر دلالت کرتی ہے ایک یہ کہ جنازہ آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

اور مبشر ربانی صاحب نے بھی آہستہ پڑھنے کو مسنون قرار دیا ہے۔

(دیکھے آپ کے سوال قرآن وسنت کی روشنی میں ص223و224)

تو جب آہستہ کو سنت کہا گیا ہے اور جہر کو بالکل ایک حدیث میں بھی سنت نہیں کہا گیا تو پھر اس سنت کے خلاف ورزی کرتے ہوئے کیوں خواہ مخواہ جہر کو مسنون کیوں کہتے ہو؟

فی الحال وقت کی قلّت کی بناء ہر دیگر امثلہ سے گُریز کرتے ہیں۔

=÷=

۱۹: اگر اس حدیث سے فرضیت اور اسکے تارک کی نماز باطل ہونے کا ثبوت ہوتا تو صحابہ و دیگر اسلاف قرأت کے منکرین نہ ہوتے بلکہ یہی اسلاف دوسروں کو قرأت سے منع بھی کرواتے ہیں، آخر یہ کیوں۔۔۔؟
آپ حضرات کے فہم صحیح یا صحابہ و تابعین یعنی اسلاف کے فہم صحیح۔۔۔؟
جبکہ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے تو یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ جو لوگ ایسے معنی بیان کرتے ہیں جو صحابہ کرام نے بیان نہیں کیے تو اس سے خارجی بن جاتا ہے (الحق الصریح ج1 ص694 طبع قدیم، وجدید ایڈیشن ص 661)
کہیں اپنے اُصول سے خارجی نہ بنے۔

۲۰: اگر اس حدیث سے فرضیت ثابت ہوتی تو حافظ ابن تیمیہؒ (المتوفی:728ھ) نے یہ کیسے کہا کہ:

"والأشبہ أنہا مستحبۃ لاتکرہ ولاتجب فانہ لیس فیہا قرآن غیرالفاتحۃ فلوکانت الفاتحۃ واجبۃ فیہا کماتجب فی الصلاۃ التّامّۃ لشرع فیہا قراءۃ زائدۃ علی الفاتحۃ" (مجموع الفتاوی ج11 ص298)

یعنی نص کے ساتھ زیادہ مشابہ بات یہ ہے کہ یہ مستحب ہے نا تو مکروہ ہے اور نا واجب ہے کیونکہ اس میں سوائے سورت فاتحہ کے قرآن کے کوئی اور سورت نہیں ہے پس اگر اس (جنازہ) میں فاتحہ واجب ہوتی جیسا کامل نماز میں واجب ہے تو فاتحہ کے علاوہ اور سورت بھی مشروع ہوتی۔

اس سے صرف حافظ ابن تیمیہؒ نہیں بلکہ حافظ ابن القیمؒ بھی عدم وجوب مراد لیتا ہے بلکہ خود غیر مقلدین کے محقق علی الاطلاق اور شارح الحدیث مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب (المتوفی:1329ھ) نے بھی یوں اعتراف کر کے خود بھی انکے ساتھ موافقت کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

"قال ابن القیم قال شیخنا ابن تیمیۃ لایجب قرأۃ الفاتحۃ فی صلاۃ الجنازۃ بل ہی سنۃ انتہی
قلت الحق مع الشیخ ابن تیمیۃ واللہ أعلم" (عون المعبود ج8 ص351)

ابنِ قیم فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ جنازے میں سورت فاتحہ کی قرأت فرض و واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے
میں کہہ رہا ہوں کہ حق ابن تیمیہ کے ساتھ ہے واللہ أعلم۔

=÷=

۲۱: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ خاص عبادت کے لئے عمومات سے استدلال کرنے سے بہت بدعات پیدا ہوتی ہیں "(الحق الصریح ج4 ص178)

تو آپ خاص عمل (جنازہ میں قرأۃ) کے لئے بھی عام دلیل (**لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**) لاکر خود اپنے ہی اصول سے بدعی بن گئے (!!)

آخر میں یہ حوالہ ملاحظہ کیجیے اور اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، آپ کے زبیر علی زئی صاحب زبانی اور شیخ ابوالاشبال احمد شاغف صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ شیخ البانی صاحب نے صحیحین کی احادیث کو بھی ضعیف کہا ہے (دیکھیے: مقالاتِ شاغف ص93)

تو کیا یہ روایت ان ضعیف روایات میں تو نہیں ہے تحقیق کیجئے۔

خلاصۃ التحقیق:

ان ساری تحقیق سے معلوم ھوا کہ غیر مقلدین کا اس حدیث سے اپنے دعوی ثابت کرنا گویا سفید کو سیاہ اور دن سے رات کو ثابت کرنے کی کوشش میں ہے عوام اور ماننے والے کو تو ایک ہی جواب بھی کافی ہے لیکن ہم نے صرف اس فن کے اہلِ تحقیق کے ذوق کے لئے کئی جوابات عرض کئے ورنہ مزید اور جوابات بھی موجود ہے لیکن قلّت وقت کی بناء پر اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اللہ اس میں ہم سب کے لئے خیر وبرکت مقدر فرمائیں۔

غیر مقلدین عموماً متعصّب اور حق نہ ماننے والے ہوتے ہیں تو اگر اس کو پچاس جوابات ودلائل بھی ذکر کریں تب بھی نہیں مانتے کیونکہ خود انہوں نے اعتراف واقرار کیا ہے کہ ہم غیر مقلدین خواہشاتِ نفس وانانیت کے شکار ہیں اس لئے سمجھنے کی توفیق سے محروم ہیں (مقالات شاغف ص276) تو میں نے یہ جوابات صرف حق ماننے والے کے لئے تحریر کیے، **بعونہ تعالی، تقبل اللہ منا**

اسی وجہ سے جماعت غرباء اہلحدیث کے امیر عبد الوہاب محدث دہلوی صاحب کے متعلق شرف الدین دہلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ایسے ملا مولوی نفس کے بندے خواہش نفسانی کے لئے گھڑ گھڑ کے مسئلے بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ قرآن وحدیث کا مسئلہ ہے اور یہ خدا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے"

(خلافت محمدی ص30)

=÷

اگرچہ اس حوالے میں مخصوص غیر مقلد کی حالت خود ایک غیر مقلد نے لکھی ہے لیکن یقین جانیں یہ صرف ایک غیر مقلد کا معاملہ نہیں بلکہ پوری ٹبر غیر مقلدین کا یہ معاملہ ہے الّا ماشاء اللہ۔

بہر کیف! یہ غیر مقلدین کا مرکزی دلیل تھا جس کی حیثیت آپ حضرات نے دیکھی کہ بالکل ان کی دعوی کے مطابق ہے ہی نہیں لیکن نورپوری صاحب کی چالاکی دیکھیں کہ یہاں بھی گزشتہ حدیث کی طرح صرف یہی ایک حدیث ذکر کرکے صفحہ 33 سے لیکر صفحہ 65 تک طویل لایعنی بحث کرکے کتاب کو ویسے ضخیم کرنے کی کوشش کی ہے (!!) ہم تو ایک بات ذکر کرکے دوسری بات کو حذف کرنے کی سوچ میں ہوتے ہیں تاکہ بحث لمبی نہ ہو جائے اور یہ آج کل مجتہدین حضرات خواہ مخواہ بحث کو لمبی کرکے اپنی کتاب کو انسائیکلوپیڈیا بنانے کی سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔ موصوف نے اس 32 صفحات میں کیا کیا فرمودات بکھرے ہیں وہ تو کتاب پڑھنے والے حضرات پر پوشیدہ نہیں لیکن ہم ساری باتوں کی مؤاخذہ اور گرفت نہیں کرتے صرف چند ضروری اور موقعہ کی مناسبت سے اہم باتوں کی جوابات دیتے ہیں باقی انکو واپس ہدیہ اور گفٹ کر دیتے ہیں۔

نورپوری صاحب نے حدیثِ ابنِ عباسؓ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:"

آیئے اب اس حدیث پر فقہاء کرام کی فقہی آراء ملاحظہ فرمائیں کہ۔۔۔الخ

جواب:

"فقہی آراء"۔۔؟؟؟ لوگوں نے تو آپ کی ذکر کردہ دلیل دیکھ لی اور آپ کے دعویٰ کو اس پر پرکھ لی شکست کھانے کے بعد اب امتیوں کے آراء کے پیچھے جانے کی ضرورت محسوس کی؟

قارئین کرام! کیا یہ ان کی واضح شکست نہیں کہ ان کو حدیث پر تسلی نہیں ہوئی تو اب آراء کے پیچھے لگ گئے جبکہ یہ لوگ تو اب تک ہمیں اہل الرائے کہتے تھے (اور نورپوری صاحب نے بھی یہ جرأت کی ہے دیکھے ان کی کتاب کے ص29وغیرہ) اور اب خود آراء کے پیچھے لگ گئے معلوم ہوا کہ یہ خود بھی اپنی ہی زبانی واُصول کے مطابق اہل الرائے ہیں لیکن کہنے سے انکو شرم آتی ہے!!

ثانیاً: امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ

"کسی کی رائے پر چلنے کا نام تقلید ہے"

(**حقیقۃ التقلید** ص246اردو، پشتو ص204، التحقیق السدید ص39 پشتو، الحق الصریح ج2 ص655)

=÷=

تواب آپ چھپ چھپ کسی کی تقلید کی طرف دعوت دیتے ہو جو آپ کے مسلک میں شرک ہے۔

(التحقیق السدید ص69)

ثالثاً: آپ کے مسلک میں تو صحابہؓ کے رائے حجت نہیں (الحق الصریح ج1 ص656 طبع جدید للشیخ امین اللہ البشاوری) اور نہ صحابہؓ کی فہم حجت ہے معاذ اللہ (دیکھے فتاوی نذیریہ ج1 ص622) تو دیگر فقہاء کرام کی آراء کی کیا حیثیت ؟!

آخر میں آپ کو تنبیہ کے لئے عرض کروں کہ آپ نے جو "آراء" پیش کی ہے تو امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد سے اس کی حیثیت اور محبت نامہ وصول کیجئے، لکھتے ہیں کہ

جو لوگ رائے پر قول کر دیتے ہیں تو اس نے اپنے آپ کو بھی گمراہ کیا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا"

(التحقیق السدید ص156)

الٰہی دیدہ تحقیق وہ غیر مقلد را
جو عینک تابکی بر سو بچشم دیگراں ہند

نور پوری: امام بخاری کی اس حدیث پر تبویب یوں ہے۔ (ص33)

الجواب: اپنی دعویٰ کے مطابق مرفوع حدیث پیش کریں اب امتیوں کے آراء کے محتاج ہو گئے ؟

ثانیاً: غیر مقلدین تو امام بخاری کی رائے کو حجت نہیں مانتے (التحقیق السدید ص83، د تقلید حقیقت پشتو ص244، **حقیقۃ التقلید** ص76) تو یہاں دو رُخی کیوں اختیار کر لی گئی ؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ثالثاً: غیر مقلدین تو امام بخاری کو مرفوع القلم (مجنون) سمجھتے ہیں العیاذ باللہ (دیکھے صدیقہ کائنات ص113 از فیض عالم صدیقی غیر مقلد۔ تو یہاں کیوں احتیاج پڑ گئی ؟

رابعاً: بقولِ احمد شاغف صاحب غیر مقلد بعض غیر مقلدین تو اہانتِ صحیحین (بخاری و مسلم کی بی عزتی اور توہین، ناقل) کا ارتکاب کرتے ہیں (مقالاتِ شاغف ص73) آج وہ کونسی مجبوری در پیش آئی کہ تقلید سے کام لیتے ہوئے امام بخاری علیہ الرحمۃ کی رائے پر عمل کرنے کی فکر میں پڑ گئے ہو ؟

=÷=

خامساً: آپ ہی کے مسلک کے محقق ابو الاشبال احمد شاغف صاحب لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی وہ روایات جو "الادب المفرد" میں درج ہے وہ سب کے سب قابل عمل نہیں ہے (مقالات شاغف ص 57) آج امام بخاری کی روایات تو کجا ان کی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو؟

یاد رہے احمد شاغف صاحب کی بات کو جوتے کی نوک پر رکھنے کی جرأت نہ کرنا کیونکہ احمد شاغف صاحب چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ

"حق وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں"

(مقالاتِ شاغف ص82)

اور آگے لکھتے ہیں کہ

"اگر میری یہ باتیں آپ کو پسند نہ آئیں تو اپنی بربادی اور تباہی کے لئے تیار رہیں"

(مقالاتِ شاغف ص287)

کر دیا تقدیر نے باطل کافسانہ شوق کا
درہم برہم ہو گیا کارخانہ شوق کا

نورپوری: امام ترمذی۔۔۔الخ

جواب: جب آپ کے ہاں امام بخاری کی رائے حجت نہیں تو امام ترمذی کی رائے کب اور کیوں حجت ہوئی؟ جبکہ امام ترمذی کی رائے ہم نے اوپر نقل بھی کی ہے اگر مانتے ہو تو سب اقوال کو مان لیا جائے۔

نورپوری: امام ابوداؤد۔۔۔الخ

جواب: اللہ سے کچھ شرم وحیا کریں آپ لوگوں کے وہ بلند دعوے کہاں گئے۔۔۔؟ دلائل ختم تو اب امتیوں کی اقوال پر سہارا؟

یاد رہے آپ ہی کے مسلک کے محقق ومفتی عبد القادر حصاری صاحب لکھتے ہیں

"کسی محدث کی محض تبویب سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے"

(فتاوی حصاریہ ج3 ص28)

تو بقول حصاری صاحب دھوکہ دینا چھوڑ دیں مرفوع حدیث ہی پیش کر دیں۔

=÷

نورپوری: امام دارقطنی۔۔۔امام بیہقی۔۔۔(ص35)

جواب: مشہور غیر مقلد ابو الاشبال احمد شاغف صاحب ان دونوں محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں

"لیکن بیہقی اور دارقطنی وغیرہ جو امام شافعی کے مقلدین شمار ہوتے ہیں ان کی تصانیف میں اپنے مقلد امام کی ترجمانی کو مقدم رکھا گیا ہے لہذا ان سے فائدہ اٹھانا آسان نہیں ہے"

(مقالاتِ شاغف ص162)

لہذا ان دونوں مقلدین کی کتابوں کا حوالہ دیکر اپنے آپ کو مزید شرمندہ نہ کریں۔

نورپوری: امام نووی۔۔الخ

جواب: اللہ کے بندے! امام نووی کو تو آپ لوگ محدث ہی شمار نہیں کرتے (دیکھیے مقالات شاغف ص162) آخر آپ حضرات کو کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ قدم بقدم محدثین، شوافع و امتیوں کے دروازے پر دستک دیتے رہتے ہو اور ان سے اپنی حمایت کی بھیگ مانگنا پڑی لیکن وہ بھی خالی ہاتھ واپس ہوتے چلے آرہے ہو، اللہ کی خاطر کیجیے اپنے عوام کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث پیش کیجیے اگر آپ کے پاس ہو بھی تو۔۔۔ورنہ صاف اقرار کیجیے کہ ہماری دامن اس سے خالی ہے اس میں شرم کی کیا بات ہے؟

نورپوری: سنت سے یہاں مراد وہ اصطلاحی لفظ سنت نہیں جو فرض کے مقابلے میں بولا جاتا ہے بلکہ یہاں طریقہ نبوی مراد ہے اور طریقہ نبوی کبھی امت کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے کبھی نفل کا"(ص7)

جواب: بات ہی ختم، جب اس سے وہ سنت مراد نہیں جو فرض کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ سنت کیا ہے؟ خود ہی امین اللہ پشاوری سے تعریف ملاحظہ کیجیے، موصوف لکھتے ہیں:

"سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو یا اُس پر امر کیا ہوا ہو"

(جمعہ کی نماز سے پہلے سنت کی حیثیت ص18)

اور دوسری کتاب میں لکھتے ہیں

"(اگر ایک فعل کا) ترک منع نہ ہو تو اگر اُس پر نبی کریم ﷺ یا اس کے بعد خلفاء راشدین نے ہمیشگی اختیار کی ہو تو وہ سنت۔۔۔الخ

(الحق الصریح ج5 ص202)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

معلوم ہوا کہ یہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ نہیں خود آپ نے ہی معاملہ حل فرمایا۔

مصوّر کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ صفائی ہو

ادھر فرمان محمد ﷺ ہو ادھر گردن جھکائی ہو

باقی آپ کا یہ کہنا کہ

"بلکہ یہاں طریقہ نبوی مراد ہے اور طریقہ نبوی کبھی امت کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے کبھی نفل کا"

تو طریقہ تو مراد ہو سکتا ہے کہ ثناء کی مشہور الفاظ (**سبحانک اللھم**) کے بجائے اگر سورۃ فاتحہ پڑھی جائے تو یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن لفظ "نبوی" ایک تو آپ کا سراسر حقیقت کے خلاف ہے آخر "نبوی" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ کیوں خواہ مخواہ جھوٹ کا سہارا لیتے ہو یا کہ یہ صحابی رسول حضرت معاویہ کے ساتھ آپ لوگوں کی گستاخی کا نتیجہ ہے کہ آپ لوگوں نے امیر معاویہ کو جھوٹ کہنے والا کہا ہے (دیکھے تیسیر الباری) اب آپ کی فرقہ کی جھوٹ کہنے کی عادت بن گئی ہے **اللھم احفظنا**۔ اور مزید برآں کہ آپ کی اپنی تحریرِ بالا کے خلاف بھی ہے۔

اور نبی کا طریقہ کبھی فرض کا درجہ رکھتا ہے کبھی نفل کا۔۔ تو یہ بھی سراسر آپ کی مسلک سے ناواقیت کی دلیل ہے کیونکہ امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد نے اپنی کتاب میں جابجا یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ کا نفس فعل وجوب (فرضیت) پر دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"ان روایات میں نبی کریم ﷺ کے افعال کا ذکر ہے اور افعال وجوب پیدا نہیں کرتی تو **ماتحب** ہوا"

(الحق الصریح ج2 ص335334)

اور دوسری جگہ بھی لکھتے ہیں کہ

"یہ فعل نبی ﷺ کا ہے اور مجرد فعل وجوب اور تحریم پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ ابن حجر فرماتے ہیں:**وفعلہ المجرد لایدل علی الوجوب ولاالتحریم**"

(فتح الباری ج1 ص362 وج9 ص14، توجیہ القاری ص89)

(الحق الصریح ج2 ص108و111)

=÷

نیز دیکھیے الحق الصریح جلد4 صفحہ 43، فتاوی الدین الخالص جلد1 صفحہ 421 پشتو، فتاوی الدین الخالص جلد1 صفحہ 432 عربی، **ارواء الغلیل** جلد1 صفحہ 148 الرقم 111 للألبانی)

تو اگر آپ کی استدلال ٹھیک بھی ہو جائے تو اس سے وجوب کہاں ثابت ہوتی ہے؟

پھر نورپوری صاحب غیر مقلد نے "سیدنا عبداللہ بن مسعود اور لفظِ سنت" کا عنوان دے کر ایک حدیث نقل کی ہے کہ

فإنّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيّكُم ﷺ سُنَنَ الهُدى وإنّهنّ مِن سُنَنِ الهُدى، ولو أنكم صَلّيْتم في بُيوتِكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته، لَتَرَكْتم سُنّةَ نبيّكم، ولو ترَكْتم سُنّةَ نبيّكم لَضَلَلْتم.. (مسلم)

(پھر نورپوری صاحب لکھتے ہیں) سیدنا ابن مسعود نے اپنے اس فرمان میں فرض نمازوں کو سنن قرار دیا ہے"

(ص38)

جواب: اللہ آپ کو بصیرت عطاء فرمائیں یہاں نزاع اس بات میں ہے کہ جب "**سنت**" مطلق بولا جائے (بدون الاضافۃ الی النبی ﷺ) کیا اس سے مراد "سنت نبوی ﷺ" ہی ہے؟

نورپوری: "نیز نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑنا گمراہی کا سبب بتایا ہے" (ص38)

جواب: اسی وجہ سے ہمارا تو یہ نعرہ ہے کہ غیر مقلدین صحابہ کے پھر بھی نہیں مانتے کچھ دیر پہلے غیر مقلدین کے حوالہ جات ذکر ہوئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ سنت کے چھوڑنے پر کوئی مواخذہ نہیں۔

نیز۔۔۔ جیسے آپ نے لفظِ سنت کے ساتھ "نبی اکرم ﷺ" کی قید لگایا تو ایسا ہی میں آپ سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ سنتِ نبی اکرم ﷺ کی قید کا مطالبہ کر رہا ہوں جو آپ کے بس میں نہیں ہے **فللہ الحمد والمنۃ**

نورپوری: محدّثین کرام کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ جب صحابی لفظِ سنت بولے تو اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہی ہوتا ہے۔

جواب: جب یہ محدثین کا قول اور اصول ہوا تو آپ کا اس سے کیا تعلّق؟ ابھی تک تو آپ لوگ کہتے کہ اہلحدیث کے دو(۲) **اصول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** باقی سب فضول، اور اب محدثین کی کی در و دیوار کو چاٹ

=÷=

رہے ہو؟

دلیلِ شرعی (بقولِ آپ کے) صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قول پیش کریں ہیر پھیر کی ضرورت نہیں۔

نورپوری: امام حاکم فرماتے ہیں اہل علم کا اجماع ہے کہ صحابی "سنت" کہے تو اس سے مراد مرفوع حدیث ہوتی ہے۔

جواب: کیوں اللہ یا اس کا محبوب پیغمبر پاک ﷺ کا قول ختم ہو کر اب امتیوں کے در پر حاضری لگایا؟ اپنا دعویٰ بھول گئے ہو؟ اگر تقلیداً پھر بھی ناکامی کی صورت میں اجماع ہی سے ناکام استدلال کرتے ہو تو یاد رکھے بقول امین اللہ پشاوری صاحب اجماع کا ماخذ دکھائیں اجماع کی تاریخ بتائیں اجماع کن کن لوگوں نے کی؟ وغیرہ وغیرہ

غیر مقلدین کے نزدیک اجماع حجت نہیں

اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے تب بھی غیر مقلدین اسکو حجت نہیں مانتے چند حوالہ جات اختصاراملاحظہ کیجئے۔ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث عبد المنان نورپوری صاحب کی اشاعتِ خاص میں اجماع کی نفی پر خوب لکھا گیا ہے مثلاً

"یہ (مقلدین) جتنی بھی دلیلیں اجماع کی پیش کرتے ہیں بنتی ان میں سے کوئی بھی نہیں"

اور مزید لکھتے ہیں

"یہ بھی اجماع کی نفی ہے کہ اجماع ھوناہی نہیں ہے اور یہ بنائے بیٹھے ہیں"

مزید لکھتے ہیں

"تو یہ (بھی) اجماع کی نفی ہے اس حدیث نے تو اجماع کے پرخچے اڑادیئے ہیں اور یہ دلیل بنائے بیٹھے ہیں"

(سہ ماہی مجلّہ المکرم اشاعتِ خاص عبد المنان نورپوری ص40و41)

اور نورپوری صاحب کی دوسری کتاب میں بھی ایک غیر مقلد کا یہ قول موجود ہے کہ

"اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ مجتہدین کا دین میں حجت ہونا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں"

(مکالمات نورپوریص85)

نواب وحید الزمان صاحب نے بھی اجماع کی عدم حجیت ہونے پر قول کیا ہے دیکھے اختصاراً (عرف الجادی ص3)

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں

=÷

"بہت سے اہلحدیث ایسے ہیں جو اجماع کے قائل نہیں بلکہ بعض قیاس کے بھی نہیں

(اخبار اہلحدیث امر تسر 11 جون 1915ء)

نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی اجماع کی عدم حجیت کا قول کیا ہے اختصاراً دیکھے (افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ فارسی ص 121 مطبع مکتبہ محمدیہ لاہور)

احمد شاغف صاحب نے بھی اجماع کا انکار کیا ہے دیکھے (مقالات شاغف ص 206 تا 208) وغیرہ وغیرہ

جب غیر مقلدین کے نزدیک اجماع حجت نہیں تو آج کیوں امتیوں کے اقوال کو محتاج ہو گئے؟

ثانیاً: اس تقلیدی مقولے پر کوئی اجماع نہیں۔

شمس الائمہ سرخسی (جس کی علمیت اور فضیلت کیلئے امین اللہ پشاوری صاحب کی کتاب دیکھے الحق الصریح جلد 1 صفحہ 5) نے اس پر لمبی بحث کی ہے اور یہ اعتراف کیا ہے کہ واقعی اس میں اختلاف موجود ہے اور پھر امام شافعی کا قولِ جدید بھی پیش کی ہے کہ اس سے مراد سنتِ نبوی ﷺ نہیں ہے،

خلاصۃً علّامہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ ہر جگہ مطلقا لفظ سنت سے "سنت نبوی" خاص نہیں بلکہ سنتِ صحابہ بھی مراد ہوتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "**علیکم بسنتی و سنۃ الخفاء الراشدین**" (سنن ابی داود) تو دیکھے خود نبی کریم ﷺ نے بھی تقسیم فرمایا ہے کہ میرا بھی سنت ہو سکتی ہے اور میرے صحابہ کے بھی سنت ہو سکتی ہے تفصیلاً دیکھے (اصول سرخسی جلد 1 صفحہ 380، 381)

صحابہ کرام جب سنت سے مراد سنت نبوی مراد لیتے تو مضاف الیہ استعمال کرتے یعنی تصریح کرتے جیسا کہ صبی بن معبد جب نصرانیت سے توبہ تائب ہو کر اسلام میں داخل ہوا تو حضرت عمر فاروق نے اسے فرمایا کہ

"**هُدِيْتَ لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ**"

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 289)

کہ آپ کو آپکی نبی ﷺ کی سنت کی راستہ دکھایا گیا۔

دیکھے جناب یہاں صرف سنت لفظ پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ "سنت نبی" کہہ کر ابہام کو رفع کیا۔

مزید تفصیلی و تحقیقی جواب کے لئے حضرت اقدس مفتی ابو یوسف درویش رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہ و کثر اللہ امثالہ کی کتاب "کیا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے؟" کی صفحہ 2 تا 15 اور میری نوٹس بک (جو اکابرینِ دیوبند رحمہم اللہ کی تحقیقات ہی ہے میں نے صرف جمع کیا ہے) بنام "**التحقیقات النافعۃ فی مسائل الجنازہ**"

=÷=

دیکھ سکتے ہیں یہاں تو وقت کی اتنی قلّت ہے کہ واللہ مجھے نظر ثانی کا موقعہ بھی نہیں ملتا اور رسالہ (مجلّہ راہِ ہدایت) بھی صرف میری مضمون کی وجہ سے اب تک موقوف ہے (میری کمزوری کی بناء پر۔۔**اللھم ارحمنا)**

بہر کیف۔۔۔ یہ مسئلہ اختلافی ہی ہے اجماعی نہیں ہے اور یہ بات محدثین اور غیر مقلدین نے بھی مانی ہے موقعہ کی مناسبت سے صرف مختصراً دو تین حوالہ جات پیشِ خدمت ہے۔

حافظ ابن حجر الشافعی (852ھ) اس کو اختلافی کہتے ہوئے لکھتے ہیں

"مع أن الخلاف عندأهل الحديث وعند الأصولين شهير"

(فتح الباری ج3 ص203 نیز دیکھے تدریب الراوی ص314)

کہ اس اصول میں محدثین اور اصولیین کا مشہور اختلاف موجود ہے

اور غیر مقلدین کے محقق وفضیلۃ الشیخ مولانا ابوصہیب محمد بن عبدالرحمن صاحب بھی اس کو اختلافی مسئلہ کہتے ہوئے رقمطراز ہیں

"اگرچہ اس میں اہلِ حدیث اور اہلِ اصول کے اختلاف موجود ہے"

(دجنازی احکام او مسائل ص285 پشتو)

بنتے ہو وفادار وفا کر کے دکھاؤ

کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

نوٹ: "من السنۃ" سے مراد کیا ہے؟ اس میں تحقیقی قول کے لئے دیگر علماء دیوبند کی کتب کی طرف رجوع کریں یہاں تحقیقی قول ذکر کرنا نا تو مقصود ہے اور نہ یہاں اس کی کوئی حاجت ہے۔

(جاری)

=÷=

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ (آخری قسط)

تنظیم فکر ولی اللہی کی چند اہم کتب کا تعارف

فکری حضرات بعض اوقات حضرت سندھی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد و ترجمان جناب پروفیسر سرور صاحب، اسی طرح مولانا عبد اللہ لغاری اور علامہ موسی جار اللہ صاحب کی بعض وہ کتب جن میں حضرت سندھی صاحب کے متنازع افکار موجود ہیں، کی بلا دلیل انکار کرتے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کے بعض کتب کی تحقیق پیش خدمت ہیں۔

(1) مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند اور مولانا عبید اللہ سندھی صاحب شاگرد، مولانا عبید اللہ انور صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ”سرور صاحب فطرت کا عطیہ تھے، جن کی دریافت مولانا سندھی ہیں اور مولانا سندھی نے ہمارے لئے شاہ ولی اللہ کو دریافت کیا۔“
>
> (امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، حیات وخدمات، از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری ص422، باب چہارم)

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی صاحب، پروفیسر سرور صاحب کو مولانا سندھی مرحوم کا صحیح اور معتبر ترجمان قرار دے رہے ہیں۔

(2) فکریوں کے ترجمان رسالہ عزم میں لکھا ہے کہ:

> ”محمد سرور امام سندھی صاحب کے مخلص ترجمان تھے۔ خود مولانا سندھی نے اپنی زندگی میں ان کی لکھی گئی تحریرات پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ آج کل بعض شر پسند لوگ س ن۔ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے امام سندھی صاحب کے فکر اور پروگرام سے نوجوانوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔“
>
> (رسالہ عزم سیریز192 ص13)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

تفسیر "المقام المحمود" کا ذکر

مولانا سندھی کے حوالہ سے تفسیر کے سلسلہ میں انتہائی متنازع اور شاذ افکار کی حامل پہلی تفسیر "المقام المحمود" ہے جس میں جہنم میں خلود اور دوام نہ ہونے اور آدم کی جنت موجودہ کشمیر ہونے وغیرہ جیسے نظریات کا ذکر ہے۔ اس کا مرتب مولانا عبد اللہ لغاری ہے۔

(1) مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب (جنہیں بعض اہل علم نے مولانا سندھی کے علوم و افکار اور تعلیمات کے صحیح ترجمانوں میں شامل کیا ہے) تفسیر "المقام المحمود" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

> مولانا (سندھی) نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی، جو عجیب و غریب اسرار و نکات پر مشتمل تھی۔ روس کے ایک نہایت وسیع النظر علامہ موسی جار اللہ (جن سے عرصہ ہوا، بارہا راقم الحروف کو دہلی اور دوسرے مقامات پر ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل رہا ہے) مولانا (سندھی) کے تلمیذ خاص تھے، اور انہوں نے مولانا سے باقاعدہ قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا تھا۔ چونکہ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا، اس لئے مولانا کی تقریریں یادداشتوں کی صورت قلمبند ہونے کے علاوہ انہیں حرف بحرف یاد تھیں، سخت ضرورت تھی کہ مولانا کا تفسیری سرمایہ جو کچھ بھی ہے، اسے طبع کیا جائے، تاکہ اس کا افادہ عام ہو۔
>
> چنانچہ مولانا کی تفسیر کے بعض اجزاء ارباب علم کے اہتمام سے طبع ہو چکے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم اور ٹھوس کتاب وہ ہے، جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے (یعنی تفسیر المقام المحمود) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مرتب کو اس اخلاص اور محنت کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کی اس کوشش کو حسنِ قبول سے نوازے۔ آمین۔
>
> سعید احمد اکبر آبادی: ڈائریکٹر شیخ الہند اکادیمی، دار العلوم دیوبند 7 دسمبر 1982
>
> (تفسیر المقام المحمود ج 1 ص 72، مطبوعہ: مکی دار الکتب لاہور، اشاعت ستمبر 1997)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مختصر عرصے کیلئے خود بھی مولانا سندھی کے شاگرد رہے ہیں اور انہوں نے مولانا سندھی کے دفاع میں ایک کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی صاحب اور ان کے ناقد" بھی لکھی ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اگر مولانا سندھی کے علوم و افکار اور تعلیمات کے صحیح اور معتمد ترجمان ہیں، تو تفسیر المقام المحمود پر

تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً "تفسیر الہام الرحمن" اور اسکے مرتب علامہ موسی جار اللہ صاحب کی وہ توثیق فرماتے ہیں۔اور آخر میں پھر تفسیر المقام المحمود کو سب سے اہم اور ٹھوس کتاب قرار دے رہے ہیں،یعنی دونوں تفاسیر کی تصدیق فرما چکے ہیں۔اب سعید احمد اکبر آبادی کے مقابلے میں بعد کے کسی شخص کا اس تفسیر کے مولانا سندھی کی طرف منسوب اور غیر معتمد ہونے کا حکم لگانا کیا درجہ رکھتا ہے؟

(2)ڈاکٹر عبد الواحد ہالیپوتہ،ایم۔اے(بمبئی)فاضل علوم دینیہ مدرسہ مظہر الحق(نصر پور سندھ)صدر،شعبہ علوم دین وتہذیب اسلام،سندھ یونیورسٹی،حیدر آباد(سندھ)تفسیر المقام المحمود کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ تفسیر مولانا عبید اللہ سندھی،**مکہ معظمہ** کے پر انوار ماحول میں اپنے تلامذہ اور محبین قرآن کے سامنے کرتے تھے،اور ان کے تلمیذ اور سفر کابل رفیق مولانا عبد اللہ لغاری صاحب روزانہ قلمبند کرتے تھے، حتی کہ دو سال کی مسلسل محنت اور جفاکشی سے یہ ساری تفسیر قلمبند ہوگئی۔اس کی نقلیں دہلی لاہور، کراچی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔لیکن اس کا اصل نسخہ،جو خود مولانا لغاری صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے۔۔۔۔۔تفسیر قرآن، مولانا سندھی صاحب کا عمر بھر مرغوب ترین مشغلہ رہا ہے، ان کی ابتدائی تفسیر، جو انہوں نے قیام دہلی کے دوران میں پہلی عالمی جنگ سے پہلے مرتب کی تھی،ان کی نقلیں سندھ یونیورسٹی،حیدر آباد اور دوسری جگہوں میں موجود ہیں، لیکن یہ تفسیر (المقام المحمود)جو اب شائع ہو رہی ہے، اس وقت لکھی گئی تھی، جبکہ مولانا سندھی صاحب کا تجربہ ومشاہدہ اور علمی معیار بہت بڑھ چکا تھا۔اس وقت تک ان کا نقطہ نظر بہت ہی وسیع ہو چکا تھا،اور ان کا قلب دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)اور فیوض الحرمین کے انوار کا منبع بن چکا تھا۔"

(تفسیر المقام المحمود ج1 ص67 وص68، بعنوان "تفسیر المقام المحمود کی اہمیت" مطبوعہ: مکی دار الکتب،لاہور اشاعت ستمبر 1997)

ڈاکٹر ہالیپوتہ صاحب مولانا عبد اللہ لغاری کے شاگرد ہیں اپنے مشاہدہ کی روشنی میں تفسیر "المقام المحمود" کو مولانا سندھی کی معتبر املائی تفسیر قرار دے رہے ہیں،اور یہی وہ دور ہے جس میں مولانا سندھی نے ایسے شاذ افکار کا اظہار کیا جس سے مستند اکابر اور اصحابِ علم کا ایک بڑا طبقہ اتفاق نہیں کرتا۔اس لئے مذکورہ تفسیر میں مولانا سندھی

کے شاذ افکار کے موجود ہونے پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

(3)اسی طرح ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

(مدرسہ دار الرشاد، پیر جھنڈا، جس کے مہتمم وصدر مولانا عبید اللہ سندھی تھے)

اس مدرسہ میں مولانا عبد اللہ لغاری فارسی کے مدرس تھے۔ یہ ہجرت کر کے کابل چلے گئے تھے، پھر ہندوستان واپس آگئے تھے، اور جب مولانا سندھی، روس ترکی ہوتے ہوئے حجاز پہنچ گئے تو 1931ء یا 1932ء میں مولانا لغاری بھی حجاز چلے گئے، اور تقریباً تین سال مولانا سندھی کی خدمت میں رہ کر مولانا سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی "الخیر الکثیر" اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھیں، اور تفسیر قرآن پڑھی اور "المقام المحمود" کے نام سے مولانا سندھی کے امالی تفسیر اردو میں مرتب فرمائے۔

(امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، حیات وخدمات ص59، مطبوعہ: دار الکتاب اردو بازار لاہور، اشاعت دوم:2026)

اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"دوسری مکمل تفسیر قرآن وہ ہے جسے مولانا عبد اللہ لغاری مرحوم نے اردو میں منضبط کیا تھا۔

(امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، حیات وخدمات ص250)

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ تفسیر "المقام المحمود" کو املاء کرنے والے مولانا عبد اللہ لغاری صاحب، مولانا سندھی کے آخری دور کے سفر وحضر کے تلمیذ اور خاص شاگرد اور ان کی معتمد شخصیت ہیں اور اردو زبان کا سب سے بڑا مجموعہ ہے جس کی شبہات مولانا سندھی کے براہ راست معتمد تلامذہ بھی دے رہے ہیں، پھر ان کے مقابلہ بعد کے کسی شخص کا مولانا سندھی کی طرف اس کی نسبت کا انکار اور اسکی تفسیر میں مذکورہ شاذ افکار کی مولانا سندھی کے بجائے ناقل وغیرہ کی طرف نسبت کرتے کرنا بہ معنی دارد۔ پس گزشتہ تحریرات وعبارات اور حوالہ جات سے بعض حضرات کے اس شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا کہ جو باتیں تفسیر المقام المحمود میں موجود ہیں ان پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کے مؤلف اس پائے کی شخصیت نہیں تھے، اس لئے ان کے ذوق کی باتیں بھی اس میں شامل ہو گئی ہیں۔ کیونکہ اولاً تو جب مولانا سندھی کے اصل تلامذہ اور معتمد اہل علم وذمہ دار حضرات

=÷=

اس تفسیر کے مولانا سندھی کے املاء پر مبنی ہونے اور املاء کرنے والے کے مولانا سندھی کا معتمد تلمیذ اور مولانا سندھی کے قائم کردہ مدرسہ کے استاد ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں، اور مولانا سندھی کے ایک دوسرے معتمد شاگرد اور فاضل وعالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس کو سب سے پہلے اہم اور ٹھوس کتاب قرار دے چکے ہیں، پھر کسی شخص کا بلا دلیل ان امالی کو غیر معتمد قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

تفسیر الہام الرحمن کا ذکر

مولانا سندھی کے انتہائی متنازع اور شاذ افکار کے حوالہ سے دوسری تفسیر "تفسیر الہام الرحمن" ہے جو کہ مولانا سندھی کے شاگرد خاص علامہ موسی جار اللہ کی املاء کردہ ہے، جس میں حیات عیسیٰ ونزول کے انکار اور امام مہدی کی آمد کے انکار جیسے نظریات ہیں اس تفسیر کے بارے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے حوالہ سے مندرجہ ذیل عبارت اوپر گزر چکی ہے:

"(1) مولانا (سندھی) نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی، جو عجیب وغریب اسرار ونکات پر مشتمل تھی، روس کے ایک نہایت وسیع النظر عالم علامہ موسی جار اللہ (جن سے عرصہ ہوا بار بار راقم الحروف کو دہلی اور دوسرے مقامات پر ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل رہا ہے) مولانا (سندھی) کے تلمیذ خاص تھے، اور انہوں نے مولانا سے باقاعدہ قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا تھا، اور چونکہ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا، اس لئے مولانا کی تقریریں یاد داشتوں کی صورت میں قلمبند ہونے کے علاوہ انہیں حرف بحرف یاد تھیں۔ سخت ضرورت تھی کہ مولانا کا تفسیری سرمایہ، جو کچھ بھی ہے، اسے طبع کیا جائے تاکہ اس کا افادہ عام ہو۔
چنانچہ مولانا کی تفسیر کے بعض اجزاء ارباب علم کے اہتمام سے طبع ہو چکے ہیں"

(تفسیر المقام المحمود ج1 ص72)

دیکھئے: مولانا سندھی کے شاگرد اور مداح ایک عالم دین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی نہ صرف یہ کہ "تفسیر الہام الرحمن" کے املاء کرنے کو مستند قرار دے رہے ہیں، بلکہ اس املاء کرنے والے کو املاء کرنے کے علاوہ مولانا سندھی کی تقریروں کو حرف بحرف یاد کرنے والا بھی قرار دے رہے ہیں۔

(2) مولانا سندھی کے معتمد خاص پروفیسر محمد سرور صاحب لکھتے ہیں کہ:

=÷

"شیخ جار اللہ نے مولانا سے قرآن پڑھنے کی خواہش کی، چنانچہ مولانا نے سارا قرآن شیخ کو پڑھایا۔ موصوف نے مولانا کی یہ ساری تفسیر عربی زبان میں قلمبند کرلی۔ جب شیخ جار اللہ ہندوستان آیا تو انکی اس تفسیر کی بہت سی نقلیں کی گئیں، جو کئی کتب خانوں میں اب موجود ہیں۔ شیخ جار اللہ عالم اسلام کی ایک مشہور شخصیت تھے۔ ان کی تصنیفات عربی فارسی اور ترکی میں ہیں۔ مصر کے علمی و دینی حلقوں میں وہ آج سے نصف سے بھی قبل بڑے معروف تھے، ان کی آخری عمر ہندوستان میں گزری۔"

(افادات وملفوظات ص 41، بعنوان "**مکہ معظمہ** میں علمی وسیاسی دلچسپیاں" مطبوعہ: سندھ ساگر اکادمی لاہور، تاریخ اشاعت: 2014)

دیکھئے: مولانا سندھی کے ایک دوسرے خاص اور معتمد تلمیذ بھی علامہ موسی جار اللہ اور ان کی املائی تفسیر پر اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں۔

(3) ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری صاحب علامہ موسی جار اللہ کے تفسیر امالی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تالیف شدہ امالی کو مولانا (سندھی) نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے ضبط و کتابت میں سامع نے کوتاہی نہیں کی، اور اس زمہ داری کے معائنہ کے بعد وہ مطمئن ہوئے تھے اور اپنی مسرت کا اظہار کیا تھا۔"

(امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، حیات وخدمات ص 250، دارالکتاب اردو بازار لاہور، اشاعت دوم: مئی 2016)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

"مولانا سندھی کے امالی "الہام الرحمن فی تفسیر القرآن" مؤلفہ: علامہ موسی جار اللہ کے بارے میں علامہ مرحوم نے صراحت کی ہے کہ اسے مولانا مرحوم کے الفاظ میں مرتب کیا گیا ہے، اور قرآن حکیم کی تفسیر میں ایک ایک لفظ جو مولانا کی زبان مبارک سے نکلا، اسی وقت ان کے سامنے نہایت کوشش سے ضبط تحریر لے آیا گیا۔ یہ امالی مولانا سندھی کی نظر سے گزرے تھے، اور علامہ کی محنت تالیف اور اہتمامِ صحت پر حضرت سندھی نے اپنے اطمینان و مسرت کا بیان

=÷

حضرت علامہ نے خود ایک تحریر میں فرمایا ہے، جس کا حوالہ "مکہ مکرمہ میں مولانا سندھی کا قیام اور مصروفیات" میں گزر چکا ہے۔"

(امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، حیات و خدمات، ص 265 و 266)

پروفیسر سرور صاحب کی تالیفات

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے فرزند مولانا عبید اللہ انور صاحب پروفیسر سرور صاحب اور ان کی تالیفات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"(پروفیسر) سرور کی خوش نصیبی تھی کہ وہ مکہ معظمہ میں بھی مولانا سندھی سے مستفیض ہوئے اور مراجعت وطن کے بعد یہاں بھی پانچ برس تک مولانا شاہ ولی اللہ کی کتابیں تحقیق و محنت سے پڑھتے رہے، اور ان کے افکار و خیالات کے استفادہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس دوران میں بھی امام ولی اللہ اور مولانا سندھی پر برابر لکھتے رہے۔ بعد میں شاہ صاحب کی کتابوں کے انہوں نے نہایت عمدہ تراجم کئے اور خود سرور صاحب کی تصنیف "ارمغانِ شاہ ولی اللہ" اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب ہے، جسے شاہ ولی اللہ کی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ کہنا چاہیے، اور علوم قرآنی کے طلبہ کیلئے تو وہ ایک نعمت ہے ایسے ہی مولانا سندھی پر "افادات وملفوظات" اور "مولانا عبید اللہ سندھی" کے نام کی دو کتابیں لکھ کر تو انہوں نے امت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔"

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"میرے سامنے ملک نصر اللہ خان عزیز نے مولانا سندھی سے پوچھا اس کتاب کے بارے میں خود آپکی کیا رائے ہے؟

مولانا نے فرمایا: پروفیسر سرور صاحب نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وہ میرے افکار و خیالات سے متصادم کوئی چیز اس میں نہ آنے پائے ظاہر ہے خیالات تو میرے ہی ہیں لیکن زبان و بیان سرور صاحب کا ہے۔"

(افادات وملفوظات ص 421، بعنوان پروفیسر سرور مرحوم، از قلم مولانا عبید اللہ انور، بحوالہ: ہفت روزہ خدام الدین لاہور، تاریخ اشاعت 2014)

=÷=

نوٹ:

حضرت سندھی صاحب کے مذکورہ بالا الفاظ "مولانا عبید اللہ سندھی، حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار" نامی کتاب کے متعلق ہے جو کہ سن 1943 میں لکھی گئی ہیں۔ جبکہ افادات وملفوظات نامی کتاب اسکے تیس برس بعد مرتب کی گئی ہے، حضرت سندھی رحمہ اللہ ان دنوں میں وفات پا چکے تھے۔

تنظیم فکر ولی اللہی کا لٹریچر:

(1) افادات وملفوظات۔۔۔ پروفیسر سرور صاحب

(2) حالات، تعلیمات، سیاسی افکار۔۔۔ پروفیسر سرور صاحب

(3) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ۔۔۔ پروفیسر سرور صاحب

(4) خطبات ومقالات۔۔۔ پروفیسر سرور صاحب

(5) المقام المحمود (جلد اول)۔۔۔ مولانا عبد اللہ لغاری

(6) المقام المحمود (سورۃ یونس)۔۔۔ مولانا عبد اللہ لغاری

(7) المقام المحمود (جزء عم)۔۔۔ مولانا عبد اللہ لغاری

(8(الہام الرحمن (جلد اول)۔۔۔ علامہ موسی جار اللہ

(9) الہام الرحمن (جلد دوم)۔۔۔ علامہ موسی جار اللہ

(10) قرآنی شعور انقلاب۔۔۔ شیخ بشیر احمد وغازی خدا بخش

(11) مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل۔۔۔ مولانا عبد اللہ لغاری

(12) نظریہ انقلاب۔۔۔ شیخ بشیر احمد

(13) شاہ ولی اللہ کا فلسفہ عمرانیات۔۔۔ شیخ بشیر احمد

(14) شعور و آگہی۔۔۔۔ مطلوب علی زیدی

(15) شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریئے۔۔۔ شمس الرحمن محسنی

(16) عزم (45 سے زائد شمارے) تنظیم فکر ولی اللہی

(ختم شد)

=÷=

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (قسط:۳)

غیر مقلدین کا قیاسی دین

نص صریح کے مقابلے میں قیاس، مدت سفر کی تحدید تین دن

مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"محدثین کے نزدیک بحکم بحدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر کرنا جائز ہے چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہے گا۔"

(فتاویٰ ثنائیہ:۱/۶۰۱)

امر تسری صاحب نے جس مسئلہ کو محدثین بلکہ حدیث کا مسئلہ باور کرایا، حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اسے نص صریح کے خلاف قیاسی کاوش بتلایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جو لوگ مدت سفر کی تحدید تین دن کے اندر کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی صریح صحیح دلیل نہیں ہے، نص صریح کے مقابلے میں عمومات پر قیاس کرنا مرجوح ہے۔"

(ہدیۃ المسلمین صفحہ ۸۵، مکتبہ اسلامیہ)

یاد رہے کہ علی زئی صاحب خود عموم کا سہارا لے لیا کرتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم (۷۰۵) وغیرہ کی احادیث کا عموم بھی اسی کا مؤید ہے کہ بارش میں جمع بین الصلوتین جائز ہے۔"

(ہدیہ المسلمین صفحہ ۸۷)

آگے غیر مقلدین کی زبانی مذکور ہو گا کہ بارش میں جمع تقدیم کا مسئلہ بھی قیاسی ہے۔

مذکورہ عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کی طرف منسوب مذکورہ مسئلہ نصِ صریح کے خلاف قیاس ہے۔ اس کے بالمقابل یہ دعویٰ بھی ہے کہ محدثین قیاس کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔

چنانچہ مولانا ابو الشکور محمد عبد القادر حصاروی (گنگا ضلع حصار) لکھتے ہیں:

"قیاس محدثین کے نزدیک حجت نہیں۔"

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

(فتاویٰ اہلِ حدیث:۱/۶۰۸، ادارہ احیاء السنۃ ڈی بلاک سرگودھا)

اور غیر مقلدین یہ دعوی بھی کر چکے ہیں کہ سب محدثین "غیر مقلد" تھے۔(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۸۵، اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۵۲، حافظ زبیر علی زئی، سراجِ محمدی صفحہ ۳، مولانا محمد جوناگڑھی)

جلسہ استراحت کی ہیئت قیاسی ہے

غیر مقلدین پہلی اور تیسری رکعت کے سجدوں سے اُٹھ کر کچھ دیر بیٹھ جایا کرتے ہیں اس بیٹھنے کو جلسہ استراحت کا نام دیا گیا ہے۔ جلسہ استراحت کی ہیئت کو شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد نے قیاسی کہا: وہ لکھتے ہیں:

"ہر وہ رکعت جس کے سجدوں سے فارغ ہو کر تشہد نہیں بلکہ قیام ہے تو اس میں ذرا بیٹھ کر کھڑا ہونا مسنون ہے جسے جلسہ استراحت کہا جاتا ہے مگر ہیئت قیاس ہے، منصوص نہیں۔"

(نماز نبوی مشمولہ مجموعہ رسائل اثری:۱/۳۸۶)

نووی اور شیخ جیلانی کا قیاسی مسئلہ

شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار وغیرہ میں اور سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے کہ امام **اھدنا** پڑھے۔ اور مولوی عبد الوہاب صاحب نے ہدایت النبی المختار میں فرمایا ہے کہ نہیں **اھدنی** پڑھے۔ اول الذکر دونوں نے قیاس کیا اور مؤخر الذکر نے اس کا انکار کیا۔ ہر سہ کو میری پیش کردہ صریح حدیث کا علم نہیں جو کہ قاطع نزاع ہے۔"

(حاشیہ: نماز نبوی مشمولہ مجموعہ رسائل اثری:۱/۳۸۷)

اثری صاحب نے نووی اور جیلانی دونوں کی بات کو قیاس کہا ہے۔ اور یہ دونوں بزرگ غیر مقلدین کے ہاں تارک تقلید ہیں۔ اس طرح کہ نووی کا شمار محدثین میں ہوتا ہے اور غیر مقلدین کے ہاں سب محدثین تارک تقلید تھے۔ اور شیخ جیلانی کو تو صراحۃً متعدد غیر مقلدین نے "اہلِ حدیث" لکھا ہوا ہے۔

آیات کے جواب دینے کو آمین کہنے پر قیاس

مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ہماری مساجد میں جو یہ مروج ہے کہ امام جب بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرتا ہے

=÷=

تو وہ (امام اور مقتدی) ان آیات کا جواب دیتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، کیوں کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے... نماز کی حالت میں مقتدی کا قرآن سن کر بلند آواز میں جواب دینا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، ہاں اگر آہستہ آواز میں جواب دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

(احکام الوضو، والغسل والصلوۃ صفحہ ۱۱۸، نظر ثانی مولانا عبد المنان نور پوری، طبع مکتبہ اسلامیہ)

سیالکوٹی صاحب نے اقرار کیا نماز میں قرآن کی آیتوں کا جواب دینا امام و مقتدی دونوں کے لیے ثابت نہیں، اگلی بات ہم عرض کرتے ہیں کہ غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں قیاس سے کام چلایا ہے۔

چنانچہ مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی جن سورتوں کے جوابات حدیثوں میں آگئے ہیں وہ جس طرح امام کے لیے جائز اور مستحب ہیں اِسی طرح مقتدی کے لیے بھی جائز و مستحب ہیں... رہی یہ بات کہ نماز، غیر نماز میں کوئی فرق ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی سمجھ لینا چاہیے جیسے امام کی آمین کے ساتھ آمین کہی جاتی ہے کیوں کہ سماع قراءت کو مخل نہیں۔ پس اس کا آمین پر قیاس صحیح ہے۔"

(فتاویٰ اہلِ حدیث: ۱/ ۴۹۵، ادارہ احیاء السنہ سرگودھا)

اس طرح کا فتویٰ "فتاویٰ اہلِ حدیث: ۲/ ۴۹۵" میں بھی ہے۔

آیات سننے والا جواب دے دیگر آیتوں کو سورۃ رحمن کی آیتوں پر قیاس

فتاویٰ ثنائیہ کا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

"سوال: مقتدی جب **سبح اسم ربک الاعلی** سنے تو امام کے ساتھ **سبحان ربی الاعلی** پڑھے یا نہ۔ اسی طرح **الیس اللہ باحکم الحاکمین** سن کر **بلی وانا علی ذلک من الشھدین** پڑھے یا نہ ؟جواب: حدیث شریف میں اتنا آیا ہے کہ جو کوئی **الیس اللہ باحکم الحاکمین** پڑھے وہ **بلی** کہے۔ سننے والے کی بابت میرے ناقص علم میں کوئی حکم نہیں۔ **الا واقعۃ الرحمن** پہ قیاس کیا جاتا ہے جس میں ذِکر ہے کہ **فبای آلاء ربکما**

ماتکذبان کے جواب دینے کی حضور علیہ السلام نے ترغیب فرمائی تھی کہ جواب میں کہا کرو **ولا بشیء من نعمتک ربنا نکذب فلک الحمد** یہ تعلیم الرحمٰن کے متعلق ہے مگر قیاس کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے اور سوالات کے جوابات دینے بھی جائز ہیں۔"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۴۴۹، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور)

یہ فتویٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کا ہے اس میں دوبار قیاس کی صراحت موجود ہے۔

صلوۃ الخوف کے مسئلہ میں قیاساً ترجیح

بلوغ المرام میں حدیث ہے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

نجد کی طرف چڑھائی میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ہم نے دشمن کے سامنے صفیں بنائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے ایک جماعت کو نماز پڑھائی جب کہ دوسری جماعت دشمن کی طرف متوجہ ہوئی، آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ کھڑے تھے (نماز میں) ایک رکوع کرایا اور دو سجدے کرائے، پھر اس جماعت کی جگہ چلے گئے، جس نے نماز نہیں پڑھی تھی، وہ آئے آپؐ ان کو ایک رکوع کرایا اور دو سجدے کرائے، پھر اس جماعت کی جگہ چلے گئے، جس نے نماز نہیں پڑھی تھی، وہ آئے آپؐ نے ان کو ایک رکوع اور دو سجدے کرائے، پھر سلام پھیرا، اس کے بعد وہ کھڑے ہو گئے۔

(بلوغ المرام مترجم صفحہ ۱۶۹ ترجمہ مولانا عبد التواب ملتانی)

مولانا عبد التواب ملتانی غیر مقلد اِس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"کھڑا ہوا الخ احتمال پڑتا ہے کہ ہر ایک جماعت نے ایک ہی حالت میں دوسری رکعت پڑھ کر نماز کو پورا کیا ہو اور یہ احتمال قیاساً راجح ہے۔"

(حاشیہ بلوغ لمرام اردو صفحہ ۱۶۹، فاروقی کتب خانہ ملتان، سال اشاعت:۱۹۷۹ء)

دوسرے عذروں کو سفر پر قیاس

حافظ محمد اسحاق غیر مقلد (صدر مدرس دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور) لکھتے ہیں:

"سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں تقدیم، تاخیر اور صوری

تینوں طریق پر جمع کرنا ثابت ہے دوسرے عذروں کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے۔“

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۳/ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۴)

بندہ نے مذکورہ بالا فتویٰ ”الاعتصام“ سے نقل کیا ہے۔ بعد میں یہی فتویٰ ”فتاویٰ علمائے حدیث: ۴/ ۲۲۸“ میں مل گیا، البتہ فتاوی علمائے حدیث میں الاعتصام کا حوالہ مذکور نہیں۔

سفر میں جمع تقدیم کو بارش میں جمع تقدیم پر قیاس... اور نصِ صریح کے خلاف قیاس

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”بارش میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جمع تقدیم بھی ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے (ان شاء اللہ) اسی پر قیاس کرتے ہوئے اور امام ابن قتیبہ کی بیان کردہ حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے سفر میں جمع تقدیم جائز ہے۔“

(ماہنامہ الحدیث شمارہ: ۵۲، ستمبر/ ۲۰۰۸ء صفحہ ۲۳)

یہی عبارت علی زئی کی کتاب ”علمی مقالات: ۲/ ۱۹۴“ میں بھی موجود ہے۔

علی زئی صاحب نے سفر میں جمع تقدیم کے مسئلہ کو بارش میں جمع تقدیم کے مسئلہ پر قیاس کیا جب کہ مولانا علی محمد سعیدی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق بارش میں جمع تقدیم کا مسئلہ ہی نصِ صریح کے خلاف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”بارش میں جمع تقدیم کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، صرف استدلال یا بعض تابعین کا تعامل ہے جو نص صریح کے مقابل حجت نہیں۔“

(حاشیہ: فتاوی علمائے حدیث: ۴/ ۲۲۲)

سعیدی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”بارش میں تقدیم کے لیے نص کی ضرورت ہے تاکہ **ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا** کی تخصیص ہو سکے، ورنہ احتمالات سے تخصیص جائز نہیں۔“

(حاشیہ: فتاوی علمائے حدیث: ۴/ ۲۲۷)

سعیدی صاحب کی اس عبارت کے پیشِ نظر علی زئی صاحب نے خلافِ نص مسئلہ پر اپنے قیاس کی بنیاد رکھی ہے۔

=÷

سفر میں جمع تقدیم کو عرفات کی جمع تقدیم پر قیاس

علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ابو داود نے کہا جمع تقدیم میں کوئی حدیث عمدہ نہیں ہے اور امام ابن حزم نے اس لیے جمع تقدیم کو جائز نہیں رکھا۔ میں کہتا ہوں عرفات میں جو جمع تقدیم کی حدیث ہے وہ صحیح ہے اور اسی پر دوسرے سفر کو قیاس کر سکتے ہیں۔“

(تیسیر الباری شرح بخاری: ۲/۱۴۹)

صف سے نمازی کھینچنے کو ایک امام اور ایک مقتدی والے مسئلہ پر قیاس

مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اگر اکیلا ہو تو پہلی صف سے کسی کو کھینچ کر ملالے۔“

(فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۵۳۴، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور)

غیر مقلدین کے بقول یہ مسئلہ قیاسی ہے۔ چنانچہ اُن کی کتاب میں لکھا ہے:

”اگلی صف میں (سے) کسی کو کھینچنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں امام مالک، احمد، اوزاعی، اسحاق اور ابو داود رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ صف سے آدمی نہ کھینچا جائے، البتہ ایک امام اور ایک مقتدی والے مسئلہ پر قیاس کر کے اس کا جواز ملتا ہے۔“

(نماز نبوی صفحہ ۱۳۰)

نماز نبوی نئے ایڈیشن کی عبارت ملاحظہ ہو:

”اگر اگلی صف میں جگہ نہیں ہے تو ایک امام اور ایک مقتدی والے مسئلے سے استنباط کرتے ہوئے اگلی صف سے آدمی کھینچ کر صف بنالینا جائز ہے اور اگر نہ کھینچا جائے اور اکیلے ہی نماز پڑھی جائے تو پھر یہ نماز دوہرانی پڑے گی۔“

(نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں صفحہ ۱۶۶ تصحیح و تخریج سے مزین جدید ایڈیشن، طبع دار السلام)

اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ صف میں اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ البتہ ایک امام اور ایک مقتدی والے مسئلہ پر قیاس کر کے اگلی صف سے آدمی کھینچ لیا جائے تو نماز ہو جائے گی۔ یعنی اکیلے نمازی کی مجبوری ہے کہ وہ قیاسی

=÷=

مسئلہ پر عمل کرے، گویا قیاس پر عمل کرنا اس کے لیے ناگزیر ہے۔

غیر مقلدین کے رسالہ ماہ نامہ "الحدیث" میں لکھا ہے:

"اگلی صف سے کھینچنے والی تمام روایات ضعیف ہیں۔ لیکن ایک امام اور ایک مقتدی پر قیاس کرتے ہوئے اگلی صف سے آدمی کھینچ لینا جائز ہے واللہ اعلم۔"

(الحدیث شمارہ:۲۹ رمضان ۱۴۲۷ھ صفحہ ۵۵)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"نماز باجماعت ہو رہی ہو تو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے آدمی کی نماز نہیں ہوتی... اگر کوئی شخص امام و مقتدی جب دو ہوں، پر قیاس کرکے اگلی صف سے ایک آدمی کھینچ کر ملالے تو جائز ہے، تاہم صف کے بالکل آخری کونے سے آخری آدمی کو کھینچے تاکہ قطعِ صف سے بچ جائے۔ (دیکھئے ہدیۃ المسلمین (۳۸)۔"

(علمی مقالات:۳/ ۷۵، مکتبہ اسلامیہ)

غیر مقلدین کے رسالہ "محدث" میں لکھا ہے:

"صف سے کسی نمازی کو کھینچنے کی اگرچہ کوئی صحیح و معتبر حدیث نہیں مگر اس کی ممانعت بھی نہیں ہے بلکہ بعض ضعیف اور مرسل روایات میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے لیکن ہمارا استدلال ان ضعیف و مرسل روایات سے نہیں بلکہ فعل نبوی پر قیاس سے ہے۔"

(محدث رمضان، شوال ۱۴۲۶ھ بحوالہ زمزم ذیقعدہ وذی الحجہ ۱۴۲۶ھ صفحہ ۶۲)

سنت والے کے پیچھے فرض کی نیت کرکے نماز پڑھنا تہجد پر قیاس ہے

کسی نے سوال کیا:

"ایک شخص سنتیں پڑھ رہا ہو تو کیا دوسرا آنے والا اس کے ساتھ بطور جماعت شامل ہو کر اپنے فرض پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (محمد شاہد مبین)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس کا جواب یوں دیا:

"اس کا صریح ثبوت مجھے معلوم نہیں ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تہجد والی

=÷=

حدیث پر قیاس کرتے ہوئے بعض لوگ جواز کے قائل ہیں۔ تاہم دلیل صریح نہ ہونے کی وجہ سے ایسے عمل سے اجتناب بہتر ہے البتہ یہ مسئلہ مسلّم اور ثابت ہے کہ امام کی نیت نفل نماز کی ہو اور مقتدیوں کی فرض تو دونوں کی نماز درست ہے۔"

(توضیح الاحکام:۱/۱۹۴ مکتبہ اسلامیہ، اشاعت اکتوبر/۲۰۰۹ء)

قومہ میں ہاتھ باندھنے کو قومہ سے پہلے والے قیام میں ہاتھ باندھنے پر قیاس

غیر مقلدین کا ایک طبقہ قیام میں ہاتھ باندھنے کی طرح قومہ میں بھی ہاتھ باندھنے پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ وہ لوگ اس پر بہت سی کتابیں بھی تحریر کر چکے۔ مگر اس کے مد مقابل غیر مقلدین کے دوسرے گروہ نے قومہ میں ہاتھ باندھنے کو قیاسی مسئلہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے مکالمہ لکھا:

"ا۔ وہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا آخر کیا ثبوت دیتے ہیں؟ ب۔ ثبوت کیا دینا تھا قیاس اور استدلال کرتے ہیں۔ ا۔ کوئی صریح حدیث پیش نہیں کرتے؟ ب۔ کوئی حدیث ہو تو پیش کریں۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۴۷۷، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست/۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے پر زور تو بہت دیتے ہیں مگر اس کے دلائل پر بالکل غور نہیں کرتے۔ ان کے استدلالات میں کوئی فقیہانہ بات بھی ہے یا نہیں۔ مقیس (جس مسئلہ کو قیاس کیا جائے) اور مقیس علیہ (جس مسئلے پر قیاس والے مسئلے کی بنیاد ہے) کو برابر سمجھنا ہرگز فقاہت کی نشانی نہیں۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۲۲، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست/۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب نے عبد العزیز بن باز کے متعلق لکھا:

"شیخ نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح رکوع کے بعد والے قیام کو رکوع سے پہلے والے قیام پر قیاس کیا ہے۔"

=÷

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۵۸، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

تنبیہ: غیر مقلدین کے ہاں شیخ عبد العزیز بن باز "اہلِ حدیث" شمار ہوتے ہیں۔

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں:

"قیام ثانی میں وضع صرف قیاس پر مبنی ہے کہ دوسرا قیام بھی پہلے قیام کی طرح ہے تو ہو سکتا ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام اول میں وضع کرتے تھے دوسرے میں بھی کرتے ہوں کیوں کہ یہ دونوں قیام ہیں اور یہ صرف قیاس واستدلال ہے۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۶۹، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

قیاس سے فتنہ کھڑا کر دیا

شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد (سندھ) رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے اُن کا مستقل رَد لکھا جو "رسائل بہاول پوری" میں شامل ہے۔ جس میں منجملہ باتوں کے یہ انکشاف کیا گیا کہ راشدی صاحب کے پاس اپنے اس دعویٰ و عمل پر نہ تو قرآن ہے، نہ حدیث اور نہ ہی خیر القرون کا عمل۔ اُن کے پاس صرف اور صرف غلط قیاس ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حقیقت یہی ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا صدیوں تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار پانچ سو سال بعد جا کر کسی نے قیاس ہی لڑایا ہے جس سے یہ فتنہ کھڑا ہوا ہے۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۷۸۹، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

صدیوں بعد قیاس لڑایا...

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ارے بھائی! وہ کسی صحابی سے، نہ کسی تابعی سے، نہ کسی تبع تابعی سے۔ یہ تو صدیوں بعد کسی نے قیاس ہی کیا ہے۔ جس سے یہ مسئلہ چل پڑا ہے۔ ورنہ قیاس کے سوا اِس مسئلے کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔"

=÷=

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۲، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

ہاتھ باندھنے والوں کی دلیل صرف قیاس واجتہاد ہے

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ہاتھ باندھنے والوں کی دلیل صرف قیاس و اجتہاد ہے اور ارسال کرنے والوں کی دلیل ہر زمانے میں اپنے سلف کا طریقہ ہے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۳، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

سطحی قیاسوں سے کیسے کیسے عجیب نتیجے نکالتے ہیں

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ عالم خواہ کتنا بھی بڑا ہو جب وہ اُکھڑ جاتا ہے اور کسی مسئلے میں غلطی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اسی پر پکا ہو جاتا ہے تو پھر وہ دلائل نہیں دیتا، مکڑی کا جال بنتا ہے۔ اس کا استدلال ایسا بودا اور کمزور ہوتا ہے کہ اس کی ذات پر تعجب ہونے لگتا ہے کہ اللہ ایسا عالم ہو کر ایسی کچی باتیں۔ پیر [بدیع الدین راشدی غیر مقلد (ناقل)] صاحب کو ہی دیکھ لیں وہ ایک غلط مسئلے کا شکار ہوگئے، اب وہ سطحی قیاسوں سے کیسے کیسے عجیب نتیجے نکالتے ہیں۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۵، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

ان کا راستہ اجتہاد و قیاس کا راستہ ہے، ان کا معتمد نقل نہیں

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”بعض کو چاند واقعتا نظر آجاتا ہے، جس کو پھر سب دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض کو تو دھوکا ہی لگتا ہے اور وہ اس دھوکے کو ہی چاند کہتے رہتے ہیں۔ حالاں کہ چاند ہوتا نہیں۔ ہمارے [غیر مقلد (ناقل)] بزرگوں کا بھی اس مسئلے میں یہی حال ہے کہ وہ دھوکے پر دھوکے کھاتے ہیں۔ لیکن اس کو ثبوت کہتے جاتے ہیں۔ لیکن دیانت داری کی بات یہ ہے کہ پیر [بدیع الدین راشدی غیر مقلد (ناقل)] صاحب کو اس مسئلہ میں دھوکا ہی لگا ہے۔ کیوں کہ ان کا راستہ اجتہاد و قیاس کا راستہ ہے ان کا معتمد نقل نہیں۔ پیر صاحب کے لیے اب رجوع کرنا مشکل ہے... پیر

=÷=

صاحب کو شاید یہ احساس نہیں کہ اس بے بنیاد مسئلے پر ان کی وجہ سے جتنے سادہ لوح لوگ لڑ ھکتے ہیں، آخر اُن کا بوجھ کس کی گردن پر ہو گا؟۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۸، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

جب مسئلہ ہی نامعقول اور قیاسی ہو تو جواب کیا ہو گا؟

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد کے متعلق لکھا:

"پیر صاحب رسالے جتنے مرضی لکھیں، جواب جتنے مرضی دے لیں، لیکن جواب ان سے بنتا نہیں۔ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے فٹافٹ جواب لکھ دینا اور بات ہے، جواب واقعتا جواب ہونا بالکل اور بات ہے۔ جواب معقول تبھی ہو سکتا ہے جب مسئلہ بھی معقول ہو۔ جب مسئلہ ہی نامعقول اور قیاسی ہو تو جواب کیا ہو گا؟"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۹، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

یہ مسئلہ کسی نقل پر مبنی نہیں، بلکہ قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ پیر صاحب اس مسئلے میں سراسر غلطی پر ہیں۔ وہ اپنی پوری کوششوں کے باوجود اس مسئلے کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے۔ یہ مسئلہ کسی نقل پر مبنی نہیں، بلکہ قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس لیے اس مسئلے کی کوئی صحیح بنیاد نہیں۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۸، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

غیر جنس پر قیاس

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد کی بابت لکھا:

"شاہ صاحب وہ مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں لفظ "**اذا**" وارد ہوا ہے مگر ان کو سمجھتے نہیں کہ وہ مثالیں جن پر یہ قیاس کر رہے ہیں یہ اور جنس سے ہیں اور اذا قام فی الصلوٰۃ کسی اور جنس سے۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۲۲، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

=÷=

قومہ میں ہاتھ باندھنے والوں کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ صرف قیاس وظنون ہے

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ہاتھ باندھنے والوں کے پاس نہ تو کوئی نص ہے، نہ ہی امت کا عمل ان کی طرف ہے۔ ان کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ صرف قیاس وظنون ہے۔ اس لیے امت کا عمل ان کے مقابلے میں بہ منزلہ نص ہے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۳۰، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

تفقہ سے خالی ہونے کے باوجود قیاس کا شوق چرایا

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد کے متعلق لکھا:

”شاہ صاحب کے اس اعتراض پر تعجب کرنے سے ان کے فہم کا نقص واضح ہو رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقائق شرعیہ سے نابلد ہیں۔ گویا کہ وہ تفقہ سے خالی دامن ہیں۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۲۴، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب یہ اعتراف کرتے آئے ہیں کہ شیخ بدیع الدین راشدین نے قیاس سے کام لیا ہے جیسا کہ پچھے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں اور یوں بھی لکھا کہ راشدی صاحب تفقہ سے خالی اور حقائق شرعیہ سے نابلد ہیں۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ انہوں نے تفقہ سے خالی اور حقائق شرعیہ سے نابلد ہو کر قیاس کیا۔

کسی کا قیاس ماننا تقلید ہے

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”خیر القرون میں آپ کو کوئی ایسا ایک فرد نہ ملے گا جو وضاحت یا اشارے کے ساتھ ہاتھ باندھنے کا اثبات کرے۔ البتہ آج کے دَور میں جو کہ تقلید شخصی اور فتنوں کا دَور ہے دن بدن ہاتھ باندھنے والوں کی تعداد بڑھتی نظر آتی ہے۔ لیکن ہماری معلومات کے مطابق آج سے تقریبا چالیس پچاس برس قبل ہمارے علاقوں میں اور دوسرے علاقہ جات میں کوئی ایک فرد بھی ہاتھ باندھنے والا نہ تھا۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۲۹، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ر ۲۰۰۴ء)

=÷

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

”ہاتھ باندھنے والے تو صرف علماء کی تقلید میں ہاتھ باندھتے ہیں اور کسی بھی دلیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۲۹، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست/ ۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب کو اعتراف ہے کہ قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنا قیاس سے ثابت ہے اس کے باوجود اس قیاس کی پیروی کو تقلید کہہ رہے ہیں جس سے واضح ہوا کہ کسی کا قیاس ماننا اُن کے نزدیک تقلید ہے۔لہذا ہماری اس کتاب میں غیر مقلدین کے جتنے بھی قیاسی مسائل ہیں اُن پر عمل کرنے والے مدعیان اہلِ حدیث اپنے مولویوں کے مقلد ہوئے۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

”رہا ہاتھ باندھنے کا عمل تو یہ اس پُرفتن دَور کے چند افراد کا استدلال ہے اور متاخرین میں سے بعض افراد کے اتباع ہی کو تو تقلید کہتے ہیں۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۳۱، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست/ ۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب کی اس عبارت سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے والے مدعیان اہلِ حدیث اپنے مولویوں کے مقلد ہیں اور دوسرا یہ حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اتباع کرنے کو تقلید کہتے ہیں جب کہ عام طور پر غیر مقلدین اتباع اور تقلید میں فرق کا دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ اتباع کسی کی اچھی بات تسلیم کرنا اور تقلید بُری بات ماننا ہے۔**تلک اذًا قِسمۃٌ ضیزٰی**

بدعت کے اثبات میں قیاس کا سہارا

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”قیام ثانی میں وضع کی دلیل نہ ملنے کے باعث علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے فرمایا:**الوضع فی القیام الثانی بدعۃ ضلالۃ** کہ قیام ثانی میں ہاتھ باندھنا گمراہ کن بدعت ہے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۴۳، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست/ ۲۰۰۴ء)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

”آج کل وضع کی بدعت ایجاد ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کافی اختلاف موجود ہے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۴۳، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

”اس پُر فتن دَور میں یا خیر القرون میں تو ان پر کثرت عدد کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ ان کی تعداد اس بدعت والے دَور میں ضرور بڑھ رہی ہے لیکن اگر آپ ماضی کی طرف دیکھیں تو آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ خیر القرون میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو وضع کا قائل ہو۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۵۴، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ۲۰۰۴ء)

پروفیسر صاحب نے لکھا کہ قومہ میں ہاتھ باندھنا بدعت ہے اور یہ اعتراف بھی کیا کہ ہاتھ باندھنے والے اپنے اس عمل کو قیاس کا سہارا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہاتھ باندھنے والوں نے اپنی اس بدعت کو قیاس کے سہارے وجود بخشا ہے۔

غلط قیاس کی جسارت... اور... ادنی کو اعلی پر قیاس

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے قومہ میں ہاتھ باندھنے والوں کی بات نقل کی:

”قیام ثانی کو بھی قیام اول پر ہی قیاس کر لیجئے کیوں کہ یہ دونوں قیام ہیں۔ جب پہلے میں وضع ثابت ہو گیا تو دوسرے میں بھی ایسا ہی ہو گا۔“

پھر اس پہ پروفیسر صاحب نے یوں تبصرہ کیا:

”یہ قیاس صحیح نہیں کیوں کہ اس کا نتیجہ عرف کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دونوں قیاموں کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس لیے یہ قیاس درست نہیں بلکہ یہ تو ادنیٰ کو اعلی پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔“

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۴۵، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ۲۰۰۴ء)

=÷=

دو قیاموں کو دو سجدوں پر قیاس

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوری غیر مقلد نے شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد پر طعن کرتے ہوئے لکھا:

"اب دو قیاموں کو دو سجدوں پر قیاس کرکے جواب دینا پیر صاحب جیسے زبردست مجتہد کا ہی کام ہے۔ کسی معمولی آدمی کا کام نہیں۔ اگر اسی کو جواب دینا کہتے ہیں تو پھر واقعی تسلی بخش جواب دینا پیر صاحب پر ختم۔"

(رسائل بہاول پوری صفحہ ۸۰۱، مکتبہ اسلامیہ، طبع ہفتم اگست ۲۰۰۴ء)

بیٹھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے کو کھڑے ہونے پر قیاس اور قیاس کو حدیث پر ترجیح

غیر مقلدین کا ایک گروہ: شیخ بدیع الدین راشدی اور اُن کے متبعین رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا قائل ہے۔ اس گروہ کے ایک فرد سے مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد کی گفتگو ہوئی۔ وہ گفتگو راشدی صاحب کی زبانی سنئے:

"ایک دوست سے میں نے پوچھا کہ بھائی یہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں بھی وضع کرتے ہیں اس کی دلیل کیا ہے؟ تو جھٹ بول اُٹھے کہ ہم اس کو قیام والی حالت (پہ) قیاس کرتے ہیں۔ تعجب ہے! کیسی ستم ظریفی ہے کہ قیاس ان حضرات کے ہاں باطل ہے اور قیاس کو صحیح نہیں جانتے لیکن یہاں محض اپنی بات کی لاج رکھنے کی خاطر باطل چیز کا ہتھیار لے کر میدان میں آجاتے ہیں۔ چہ دولاور است دزدے کہ بہ کف چراغ دارد! کیا حق پرستی اسی کا نام ہے؟ کہ ایک غیر صحیح چیز اور باطل بات کو آپ دلیل کے طور پر محض اس لیے پیش کرتے ہیں کہ اس سے آپ کے مفروضہ کا اثبات ہوتا ہے اور دوسروں کو زبردستی اپنے ریوڑ میں داخل کرنا چاہتے ہیں اگر ہم ان کی بات رکھنے کی خاطر ان کی اپنی قیاسی بات کو مان لیں تب بھی یہ بات قطعاً غلط ہے اس لئے کہ ان کا قیاس نص کے برخلاف ہے... صحیح حدیث کے مطابق مصلی جالس اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ دے لیکن یہ حضرات اس صحیح پر بھی عمل نہیں کرتے بلکہ اپنے گھڑے ہوئے قیاس کو مقدم رکھ کر صحیح حدیث سے اعراض کرکے ہاتھوں کو باندھے رہتے ہیں۔ حالاں کہ یہاں بھی **اذا قام قائما** کی طرح عمومی ترکیب وارد ہے یعنی **اذا جلس فی**

=÷=

الصلوۃ پھر اس سے اعراض کیوں برتا جارہا ہے اور یہاں صحیح حدیث کے حکم کو نظر انداز کیوں کیا جاتا ہے۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/ ۹۷،۹۶ نعمانی کتب خانہ لاہور)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی کے بقول غیر مقلدین کا مذکورہ مسئلہ حدیث کے خلاف قیاس ہے اور یہاں قیاس کو حدیث پر مقدم کیا گیا۔

(جاری)

تنقید کا حق

اختلاف رائے کے بہت شرائط ہیں اور ہر شخص تنقید کا اہل نہیں ہو سکتا۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”یہ جو کہا جاتا ہے کہ "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سواء کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں" اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلی، ادنی پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر، ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں، صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے“

(براءۃ عثمانؓ صفحہ نمبر: ۱۲)

=÷=

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ (قسط:۵)

غیر مقلدین کا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے

۱۹: نماز میں مصحف کو دیکھ کر تلاوت کرنا

شریعت:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"صلّوا کما رأیتمونی اصلی"

(صحیح البخاری حدیث نمبر 631)

یعنی اس طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں قرآن دیکھ کر پڑھا ہو یہاں تک کہ ابتدائی دور میں تو نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت بھی تھی لیکن اس دور میں بھی قرآن دیکھ کر پڑھنا ثابت نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ

دخل رسول اللہ ﷺ الکعبۃ ماخلف بصرہ موضع سجودہ حتی خرج منہا رواہ الحاکم فی ''المستدرک'' ۱/۴۷۹ (۱۷۶۱) وقال : حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو نکلنے تک اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ سے نہیں اٹھائی۔

بغاوت:

قارئین کرام خود سوچ لیں کہ حالت نماز میں قرآن یا موبائل دیکھ کر تلاوت کرنا اس حدیث کی خلاف ورزی نہیں؟ اور یہ ایسی چیز نہیں ہے جو نمازی کو مشغول بنا دیتا ہے قرآن کریم کو جیب سے نکالنا یا موبائل کو جیب سے نکالنا اور اس کی کوڈ آن کرنا، اور پھر اس کی صفحات الٹ پلٹ کرنا اور پھر انگلیوں سے آگے پیچھے کر کے ایپ اوپن کرنا اور مخصوص جگہ تلاش کرنا! یہ محض حدیث کا خلاف ہی نہیں بلکہ دین کا مذاق بھی ہے جو غیر مقلدین حضرات کا بے دلیل عمل ہے اللہ ہمیں قرآن وحدیث کی صحیح معنوں میں متبعین ومقلدین بنائے۔ اس جگہ مشہور غیر مقلد عبد اللہ بہاولپوری صاحب کا یہ قول یاد آیا کہ

=÷=

"ہم کام کے اہلحدیث نہیں بلکہ نام کے اہلحدیث ہے"

(رسائل بہاولپوری ص580)

۲۰: مصحف اٹھا کر تلاوت کرنا

شریعت:

عن قبیصة بن هلب، عن ابیہ، قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یوَمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ"

(**سنن الترمذی ج1 رقم الحدیث** 252)

ترجمہ: ہلب طائیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تو بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی احادیث متعدد صحابہ سے صحیح یا حسن اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

مثلاً:

1- **وائل بن حجرؓ (مسلم: ۴۰۱ وابوداوَد: ۷۲۷)**
2- **جابرؓ (احمد ۳۸۱/۳ح ۱۵۱۵۶ وسندہ حسن)**
3- **ابن عباسؓ (صحیح ابن حبان ، الموارد: ۸۸۵ وسندہ صحیح)**
4- **عبداللہ بن جابر البیاضیؓ (معرفة الصحابة لابی نعیم الاصبہانی ۱۶۱۰/۳ ح۴۰۵۴وسندہ حسن واوردہ الضیاء فی المختارة ۱۳۰/۹ح۱۱۴)**
5- **غضیف بن الحارثؓ (مسند احمد ۱۰۵/۴، ۲۹۰/۵ وسندہ حسن)**
6- **عبداللہ بن مسعودؓ (ابوداوَد: ۷۵۵ وابن ماجہ: ۸۱۱ وسندہ حسن)**
7- **عبداللہ بن زبیرؓ (ابوداوَد: ۷۵۴ واسنادہ حسن واوردہ الضیاء المقدسی فی المختارة ۳۰۱/۹ح ۲۵۷)** یہ حدیث متواتر ہے۔ **(نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص۹۸ ح ۶۸)**

بغاوت:

اب غیر مقلدین کا ان احادیث سے بغاوت ملاحظہ کیجئے غیر مقلدین عموماً ماہ رمضان المبارک میں تراویح کی حالت میں قرآن یا موبائل اٹھا کر ان احادیث بالا کی مخالفت کرتے ہیں ہے نبی کریم ﷺ کا کیا عمل تھا اور غیر مقلدین کا کیا عمل ہیں اللہ معاف فرمائیں۔

=÷=

۲۱: مالِ تجارت میں زکوۃ

شریعت:

قرآن کریم میں ہے

"یاأیُّها الّذِین آمنُوا انْفِقوا مِنْ طیِّباتِ ما کسبْتمْ وممَّا أخْرجْنا لکمْ مِن الأرْض"

(**سورة البقرة**:267)

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو (اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو)

- مجاہدؒ (المتوفی: 102ھ) اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

یہ آیت تجارت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

- سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ:

وعنْ سمُرة بْن جُنْدُبٍ ؓ **قال: کان رسُولُ الله** ﷺ **یأمُرُنا؛ أنْ نخْرج الصَّدقة من الذِي نعُدُّهُ لِلْبیْع**

(**سنن ابی داوٗد** (1562)

(رسول اللہ ﷺ ہمیں ان چیزوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے جو ہم تجارت کیلئے تیار کرتے تھے)

- ابن عبد البرؒ نے اسے حسن کہا ہے، اور امام ابوداودؒ نے اس کی حکم سے سکوت اختیار کیا ہے اور غیر مقلدین کا یہ اصل انکی کتابوں میں درج ہے کہ امام ابوداوٗدؒ کا سکوت قابلِ احتجاج و قابلِ استدلال ہے (دیکھیے فتاوی حصاریہ ج3 ص14)
- دارقطنیؒ اور حاکمؒ نے ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرما رہے تھے: (اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، بکریوں میں زکوٰۃ ہے، گائے میں زکوٰۃ ہے، اور کپڑے میں بھی زکوٰۃ ہے) الحدیث
- حافظ ابن حجرؒ "تلخیص الحبیر" (2/391) میں کہتے ہیں: "اس کی سند میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے" اور نوویؒ نے اسے "المجموع" (6/4) میں صحیح کہا ہے۔

=÷=

اس حدیث میں سامانِ تجارت پر زکوٰۃ لاگو ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ عام کپڑوں میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہوتی جب تک وہ تجارت کیلئے نہ ہوں، اس لیے اس حدیث کا مفہوم یہی ہو گا کہ یہاں کپڑوں میں زکوٰۃ سے مراد تجارت کی غرض سے لئے جانے والے کپڑے ہیں۔

- بخاری (1468) مسلم (983) میں ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو زکوٰۃ وصولی کیلئے روانہ فرمایا تو ابن جمیل، خالد بن ولید، اور رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ ادا نہ کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ابن جمیل اس لیے ادا نہیں کر رہا کہ پہلے فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی بنا دیا ہے! جبکہ خالد سے تم زیادتی کر رہے ہو، کیونکہ اس نے اپنی ذرہیں اور سامان سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا ہے، جبکہ عباس کی زکوۃ میرے ذمہ ہے، بلکہ زکوۃ سے ایک گنا زیادہ میرے ذمہ ہے)
- نوویؒ "شرح مسلم" میں کہتے ہیں:

  "اہل لغت کا کہنا ہے کہ: [حدیث میں مذکور] "**الأعْتاد**" سے مراد جنگی ساز و سامان ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: انہوں نے خالد سے زکوٰۃ کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ انہوں نے ان جنگی آلات کو تجارتی سامان سمجھ لیا تھا [کیونکہ ان کے ہاں] اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو خالد نے انہیں کہا: "مجھ پر زکوٰۃ لاگو نہیں ہوتی" تو انہوں نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ خالد نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان سے زکوٰۃ طلب کر کے زیادتی کی ہے؛ کیونکہ انہوں نے اپنے جنگی ساز و سامان کو سال ہونے سے قبل ہی اللہ کی راہ میں وقف کر دیا ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں۔
- شافعی، احمد، عبد الرزاق، اور دار قطنی رحمہم اللہ نے ابو عمرو بن حماس سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے ان سے کہا:

  "میں چمڑے کا کاروبار کیا کرتا تھا، تو میرے پاس عمرؓ بن خطاب گزرے تو انہوں نے مجھے کہا:

  "اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو"

  میں نے کہا: میرا مال تو چمڑے کی شکل میں ہے!؟

  تو انہوں نے کہا: اس کی قیمت لگاؤ اور پھر زکوٰۃ ادا کرو"

=÷=

- عبد الرحمن بن عبد قاری کہتے ہیں کہ:

"میں عمر بن خطابؓ کے عہد میں بیت المال کا ذمہ دار تھا، چنانچہ جس وقت زکوٰۃ ادا کی جاتی تو تاجروں کے مؤجل اور **معجل** سارے تجارتی مال کا حساب لگاتے، اور پھر پورے مال میں سے زکوٰۃ وصول کرتے"

اس اثر کو ابن حزم نے "المحلی" (4/40) میں صحیح کہا ہے۔

- بیہقی میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"سامان میں اسی وقت زکوٰۃ ہوگی جب اسے تجارت کی غرض سے رکھا جائے"

اس اثر کو بھی ابن حزمؒ نے "المحلی" (4/40) میں اور نوویؒ نے "المجموع" (6/5) میں صحیح قرار دیا ہے۔

یہ تمام دلائل مجموعی طور پر تجارتی سامان پر زکوٰۃ لاگو ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

جو کہ جمہور اہل علمؒ کا مسلک ہیں، اور جمہور زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا موقف شاذ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ابن المنذرؒ نے تجارتی سامان پر زکوٰۃ واجب ہونے کے متعلق اجماع بھی نقل کیا ہے، اور اہل ظاہر جو کہ تجارتی سامان پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے قائل ہیں ان کے موقف کو شاذ اور خارج از اجماع قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

"ائمہ اربعہ اور ساری امت -ماسوائے چند شاذ موقف والے افراد- اس بات پر متفق ہیں کہ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے، چاہے تاجر مقیم ہو یا مسافر، یا اشیائے فروخت سستی خرید کر ذخیرہ کرے اور فروخت کرنے کیلئے قیمت بڑھنے کا انتظار کر رہا ہو، یا دکاندار ہو، اسی طرح تجارت چاہے نئے کپڑے کی ہو یا پرانے کی کھانے پینے کا سامان فروخت کرے یا پھل فروٹ، یا چمڑا وغیرہ، یا مٹی سے بنے برتن وغیرہ فروخت کرے، یا غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار ہو، یا گھوڑے، خچر، گدھے، یا چارہ کھانے والی بکریاں وغیرہ فروخت کرے، سب پر زکوٰۃ لاگو ہوگی، اس لیے کہ شہروں میں رہنے والے افراد عام طور پر سامان تجارت کے مالک ہوتے ہیں، اور دیہاتوں میں رہنے والے افراد عام طور پر جانوروں کے مالک ہوتے ہیں، [تو سب پر معتبر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ واجب ہوگی]" انتہیٰ

=÷

(مجموع فتاوی ابن تیمیہ 45/25)

بغاوت:

اب غیر مقلدین کا بغاوت قرآن وحدیث سے ملاحظہ کیجئے:

غیر مقلدین کے مایہ ناز محقق نواب نور الحسن خان صاحب (المتوفیٰ:1336ھ) لکھتے ہیں:

"وازینجا دریافت شد کہ دلیلی دال بروجوب زکوۃ در اموال تجارت نیست"

(عرف الجادی ص65)

یعنی یہی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تجارت کے مال میں زکوۃ واجب ہو گی

اور نواب وحید الزمان صاحب (المتوفی:1338ھ) لکھتے ہیں

"ولاشئ فی غیرھا من الجواھر والعروض ولو کانت للتجارۃ "

یعنی ان کے سوا سامانوں اور جواہرات میں زکوۃ نہیں اگرچہ تجارت کے لئے ہوں

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں

"لاتجب فی عروض التجارۃ"

(نزل الابرار ص209)

کہ مالِ تجارت میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

اور امین اللہ پشاوری غیر مقلد بھی اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مالِ تجارت میں زکوۃ واجب نہ ہونے کے قول کو ابن حزم، داود ظاہری، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور شیخ البانی صاحب نے ترجیح دی ہیں"

(دیکھیے الحق الصریح ج7 ص138)

غیر مقلدین کا فقہ قرآن وحدیث کی کسوٹی پر خود رکھ دیجئے ہم اگر عرض کر دینگے تو شکایت ہو گی۔

۲۲: اپنے والدین کو زکوۃ دینا

شریعت:

=÷=

اس پر اجماع ہے کہ والدین کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں کیوں کہ ہر شخص اپنے والدین کا جزو ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی: 620.ھ) فرماتے ہیں کہ

"**قال ابن المنذر أجمع أهل العلم على أن الزكوة لايجوز دفعها الى الوالدين**"
(**المغنى ج3ص**247)

ترجمہ: ابن المنذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ زکوۃ والدین کو دینی جائز نہیں

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

(**و قال ابْنُ الْمُنْذِر: أجْمَعُوا على أنَّ الرَّجُل لا يُعْطِيْ زَوْجتَہٗ مِن الزَّكاةِ لانَّ نفْقتَہا واجِبۃٌ عليْہِ فتسْتَغْنِيْ بِہا عنِ الزَّكاةِ**)

"امام ابن المنذر نے کہا: اس بات پر اجماع ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس کا خرچہ خاوند کے ذمّے ہے، پس وہ اس خرچے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستغنی ہے۔" [فتح الباري، باب الزکوٰۃ علی الزوج والأیتام في الحجر: 3/416]

اور امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

(**ولا يجُوزُ أنْ تَعْطِي من الزَّكاةِ مِنْ تلْزَمُہٗ نفقتُہٗ و هُمُ الْوالِدن والْولِدُ والزَّوْجۃُ**)

"یہ جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ اس کو دے جس کا نفقہ (خرچہ) اس کے ذمّے ہے جیسے ماں باپ ہیں، اولاد ہے اور بیوی ہے۔"
یعنی ان تینوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر القرطبي: 8/189)

بغاوت:

اب غیر مقلدین کا بغاوت ملاحظہ کیجئے:

غیر مقلدین کے مایہ ناز مجتہد العصر و محقق (**بزعمھم**) امین اللہ پشاوری صاحب لکھتے ہیں:

يجوز الدفع الى الأولاد اذاكانوا يسكنون فى بيت على حدة يعيشون منفردين وهو اختيار شيخ الاسلام ابن تيميۃ والألبانى ---(قال الالبانى، الناقل) نحن نرى جواز اعطاء الفرع للأصل---- واما اذا كان الأب وأولاده يعيشون بمفردهم مستورين كمايقال فيجوز لهذا الولد الغنى أن يعطى زكوة مالہ لأبيہ واخوتہ الفقراء انظر الموسوعۃ 131/3)

=÷=

ترجمہ و مفہوم۔۔۔اپنے اولاد کو زکوۃ دینی جائز ہے جبکہ وہ علیحدہ گھر میں رہتے ہو اور یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور البانی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے (پھر البانی کا ایک فتوی درج کیا ہے جس میں یہ عبارت آخر میں درج ہے) ہمارا یہ خیال ہے کہ فرع (اولاد) اپنی اصل (والدین، داد وغیرہ) کو زکوٰۃ دے سکتا ہیں اور جب والدین اور بیٹے جُدا جُدا گھر میں زندگی گزار دیتی ہیں جیسا کہ سوال میں کہا گیا تو مالدار اولاد اپنی زکوٰۃ اپنے فقیر والدین اور بہن کو دے سکتی ہے۔

(دیکھے فتاوی الدین الخالص ج8 ص226و227)

اور نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

"ادلہ عموما و خصوصا ناطق باشند بجواز دفع زکوۃ بسوی اصول و فروع"

(عرَف الجادی ص72)

یعنی عمومی و خصوصی دلائل اس پر ناطق ہیں کہ ماں باپ اور سگی اولاد کو زکوۃ دینی جائز ہے

۲۳: اپنی بیوی کو زکوۃ دینا

یہ تو ہر عام و خاص کو معلوم ہے کہ اپنی بیوی کو زکوۃ دینی جائز نہیں ہے یعنی جن قرابت داروں کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب ہے۔ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔مثلاً ماں باپ، دادا، پڑدادا، بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ اور بیوی۔

اور یہ تشریح اسلافؒ ہی نے کی ہیں چنانچہ مشہور مفسر امام قرطبیؒ (المتوفی: 676ھ) لکھتے ہیں:

﴿ولاَ يجُوزُ أَنْ تُعْطِي مِن الزَّكَاةِ مَنْ تَلْزمُهُ نفقتهُ و هُمُ الْوالِدانِ والْوَلدُ والزَّوْجةُ﴾

"یہ جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ اس کو دے جس کا نفقہ (خرچہ) اس کے ذمّے ہے جیسے ماں باپ ہیں، اولاد ہے اور بیوی ہے۔"

یعنی ان تینوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔(تفسیر القرطبی:8/189)

اور اسی پر اجماع ہو چکا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ (المتوفیّ:852ھ) لکھتے ہیں:

﴿و قال ابْنُ الْمُنْذِر: أجْمعُوا على أنَّ الرَّجُل لا يُعْطِيْ زوْجتهُ مِن الزَّكَاةِ لانَّ نفْقتها واجبةٌ عليْهِ فتسْتغْنيْ بها عن الزَّكَاةِ﴾

"امام ابن المنذر نے کہا: اس بات پر اجماع ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس کا خرچہ خاوند کے ذمّے ہے، پس وہ اس خرچے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستغنی ہے۔"

[فتح الباري، باب الزكوة على الزوج والأيتام فى الحجر: 416/3]

کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ بیوی کو زکوۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ بیوی دراصل شوہر کا ایک حصہ اور جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومِن ايته أن خلق لكم مِن أنفسكم أزوجا..(سورةالروم)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی سے بیویاں بنائیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی دراصل شوہر کا ایک جزو ہے۔ اس لیے بیوی کو زکوۃ دینا گویا اپنے کو زکوۃ دینا ہے اور اپنے آپ کو زکوۃ دینا کسی طور جائز نہیں۔ اسی لیے بیوی کو زکوۃ دینا بھی کسی طور جائز نہیں۔

بغاوت:

اب شریعت کے خلاف ورزی کرتے ہوئے غیر مقلدین کا بغاوت ملاحظہ کیجئے:

امین اللہ پشاوری سے ایک سوال ہوا ہے، بمع جواب ملاحظہ کیجئے:

"سئل: **عن دفع الزكوة الى الزوج و دفع الزوج الى الزوجة هل يجوز ذالک**"

الجواب: الحمدلله: أما دفع الزوجة الزكوة لزوجها الفقير أو المسكين فيجوز عندأكثر أهل العلم---

(پھر کچھ احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

فهذان الحديثان يدلان على جواز ذالک--- "

(فتاوی الدین الخالص ج78 ص224)

ترجمہ و مفہوم: یعنی سوال کیا گیا کہ زکوۃ خاوند کو دے سکتی ہے یا نہیں اور خاوند بیوی کو دی سکتی ہے یا نہیں

جواب: الحمدللہ مالدار بیوی اپنا فقیر خاوند یا مسکین خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے یہ اکثر اھل العلم کے نزدیک جائز ہے (پھر کچھ احادیث ذکر کرنے کے بعد خلاصۃً لکھتے ہیں) پس یہ دو احادیث اس کی جواز پر دلالت کرتی ہے

اور اسی طرح غیر مقلدین کے مشہور ویب سائیٹ "محدث" پر ایک مفتی (اسحاق سلفی) سائل کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں

=÷

" صحیح حدیث کے مطابق کوئی بھی عورت زکوٰۃ کے مستحق اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔۔۔
(اپنے موقف پر دلائل۔ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

اور سعودی عرب کے مشہور سلفی عالم علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین (المتوفی: 1421ھ۔) رحمہ اللہ "الشرح الممتع "(168/6-169) میں کہتے ہیں۔

"فللزوجة أن تعطيه زكاتها وربما يستدل لذلك بحديث زينب امرأة عبد الله بن مسعود رضي الله عنهما أن النبي صلّى الله عليه وسلّم "حث على الصدقة، فقال ابن مسعود لزوجته: أعطيني وأولادي أنا أحق من تصدقت عليه".

فقالت: لا حتى أسأل النبي صلّى الله عليه وسلّم فسألت النبي صلّى الله عليه وسلّم فقال: "صدق عبد الله، زوجك وولدك أحق من تصدقت عليهم" فيمكن أن نقول: قوله: "من تصدقت عليهم" يشمل الفريضة والنافلة.

وعلى كل حال إن كان في الحديث دليل فهو خير، وإن قيل هو خاص بصدقة التطوع، فإننا نقول في تقرير دفع الزكاة إلى الزوج: الزوج فقير ففيه الوصف الذي يستحق به من الزكاة، فأين الدليل على المنع؟ لأنه إذا وجد السبب ثبت الحكم، إلا بدليل، وليس هناك دليل لا من القرآن ولا من السنة، على أن المرأة لا تدفع زكاتها لزوجها،

اهـ باختصار

یعنی صحیح یہی ہے کہ اگر خاوند زکوٰۃ کے مستحقین میں سے ہے تو اسے زکوٰۃ دینی جائز ہے، اور اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: " تیرا خاوند اور تیری اولاد قابل صدقہ افراد میں تمہارے صدقہ کے زیادہ حقدار ہیں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: اس حدیث میں میں فرض اور نفل دونوں شامل ہیں، بہر حال اگر حدیث میں دلیل ہے تو یہ بہتر اور خیر ہے،

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو نفلی صدقہ کے ساتھ خاصل ہے، تو ہم خاوند کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں یہ کہیں گے: خاوند فقیر اور محتاج ہے اور اس میں وہ وصف پایا جاتا ہے جس کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق ہوا جاتا ہے، تو منع اور نہ دینے کی دلیل کہاں ہے؟ کیونکہ جب سبب پایا جائے تو حکم ثابت ہو جاتا

=÷=

ہے، لیکن اگر اگر کوئی دلیل اس کے خلاف ملے تو پھر ثابت نہیں ہو گا، چنانچہ یہاں اس کے خلاف قرآن اور سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی ہے کہ بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتی۔ انتہی مختصرا"

(الشرح الممتع) جلد6ص262

۲۴: مالدار اہل علم کو زکوٰۃ دینا

شریعت:

امام بخاریؒ(المتوفی:256ھ) اور امام مسلمؒ(المتوفی 261ھ) اپنی صحیحین میں روایت ذکر کرتے

"أنَّ اللہ افْترض علیہم صدقة توْخذُ مِن أغْنِیائھمْ فتردُ في فقرائھم"

(**صحیح البخاری الرقم** 1395، **صحیح المسلم الرقم**19)

یعنی نبی کریم ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو فرمایا کہ انہیں بتانا کہ اللہ تعالٰی نے ان کے مال پر کچھ صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر انہیں کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

"لا تحلُّ الصدقة لغنيّ، ولا لذي مرَّة سويّ"

(**سنن الترمذي**(652) **الرقم** : 652، **و أخرجہ أبو داود** (1634) **وأحمد** (6530)

کسی مالدار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ کسی صحت مند انسان کو ہی۔

بغاوت:

اب غیر مقلدین کا شریعت سے بغاوت ملاحظہ کیجیے:

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

"و منجملہ سبلِ خدا صرف صدقہ اہل علم است کہ قیام دارند بمصالح دینیہ مسلمین پس ایشاں را نصیبے در مال خدا است خواہ تونگر باشند یا گدا بلکہ صرف آں دریں جھر از اھم امور ست"

(عرَف الجادی ص69)

=÷=

یعنی خدا کے راستوں میں (جن میں زکوۃ خرچ ھونی چاہیے) ایک راستہ یہ ہے کہ زکوۃ کا مال اہل علم پر خرچ کیا جائے چونکہ عام مسلمانوں کی دینی مصلحتوں کو قائم رکھتے ہیں اس وجہ سے زکوۃ میں سے ان کا حصہ ہے بلکہ اہل علم پر زکوۃ خرچ کرنا سب سے اہم مصرف ہے خواہ وہ علماء مالدار ہو یا فقیر۔

تعجب ہے مالدار لوگوں کے لئے زکوۃ کا مال حرام ہے اور غیر مقدین اپنی فقہ کی خاطر شریعت سے بغاوت کرتے ہوئے حلال قرار دیتے ہیں۔۔(!!) اناللہ وانا الیہ راجعون!

۲۵: یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں

شریعت:

حضرت امام ترمذی رح (المتوفی: 179ھ) نے اسی مسئلے کے اثبات کے لیے باب منعقد کیا ہے "**باب ماجآء فی زکوۃ مال-الیتیم**" یعنی یہ باب اسی سلسلہ کا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ ہے

پھر یہ حدیث پیش کیا ہے

عنْ عمْرو بْن شُعيْبٍ، عنْ أبيہ، عنْ جدّہِ، أنَّ النّبيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خطب النّاس فقال " ألا منْ ولی يتِيما لہ مالٌ فلْيتّجرْ فِيہ ولا يتْرُكْہ حتّى تأكلہُ الصّدقۃ (**سنن الترمذی رقم الحديث** 641)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رھو جو شخص یتیم کی سرپرستی کرتا ہے اور اس یتیم کے پاس مال بھی ہے تو اس سرپرست کو یتیم کے مال میں تجارت کرنی چاہیے اور وہ اس کا مال یوں ہی چھوڑے نہ رکھے کہ اس کا مال زکوۃ سے ختم ہو جائے

بغاوت:

غیر مقلدین کا یہ مسئلہ ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں ہے

چنانچہ نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

"وحدیث امر باتجار در اموال یتامی تاز کو تش نخور و بحجت نمی ارزد وھمچنین در آثار مرویہ از صحابہ حجت نیست"

(عرف الجادی ص 61)

=÷

یعنی وہ حدیث جس میں یتیموں کے مال میں تجارت کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کو زکوۃ نہ کھائے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کے مال میں زکوۃ ہے) قابل حجت نہیں ہے اور اسی طرح اس سلسلہ میں جو آثار صحابہ سے مروی ہیں وہ بھی لائق احتجاج نہیں ہیں۔

نوٹ: یادرہے یہاں اس مسئلے میں راجح قول ذکر کرنا نہیں صرف دو باتوں کی غرض سے یہ بات لکھی، اول یہ کہ غیر مقلدین کس طرح جرأت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ صحابہ کی جو آثار ہے وہ حجت نہیں اور دوسری بات۔۔۔ ایک اختلافی مسئلہ غیر مقلدین لوگوں کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھے اس میں بھی دلائل آئیں ہیں جبکہ احناف پھر بھی اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں (جبکہ ہمارا اپنا موقف بھی دلائل سے خالی نہیں ہوتا۔۔) تو اسی پیش نظر ہم نے بھی ان کو بتایا کہ اگر دلیل ایک مسئلہ پر ہو اور دوسری جانب میں بھی دلائل موجود ہو اور پھر بھی وہ احادیث کے خلاف۔۔۔؟؟؟ تو پھر لیجئے اپنا ہی مسئلہ اور اپنا ہی نتیجہ خود یہاں بھی فٹ کر دیں۔

۲۶: فی سبیل اللہ میں عموم

شریعت:

تمام علمائے اسلام واہل اسلام کا اس پر اتفاق واجماع ہیں کہ مساجد اور عام سرکاری کنواں وغیرہ پر زکوۃ دینا درست نہیں۔

بغاوت:

لیکن غیر مقلدین کا بغاوت ملاحظہ کیجیے، لکھتے ہیں کہ مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد نہیں ہے بلکہ ہر کارِ خیر فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں

"و سبیل اللہ مختص بجہاد نیست اگرچہ از اعظم طرق الی اللہ است پس در ہر چہ راہے بسوی خدا باشد صرف زکوۃ دران صحیح ست" (عرف الجادی ص69)

یعنی "فی سبیل اللہ" جہاد ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اگرچہ یہ عظیم تر فی سبیل اللہ ہے اس لئے جو راستہ بھی خدا کا راستہ ہو گا اس میں زکوۃ کا دینا صحیح ہو گا۔

پس معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک زکوۃ کے پیسوں سے مسجد بنانا مدرسہ بنانا کنواں تعمیر کرنا امام کو تنخواہ دینا مدرس کو دینا یہ سب جائز اور زکوۃ کے مصارف میں ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

=÷=

۲۷:اموالِ زکوٰۃ میں حد بندی

شریعت:

اس بات پر اجماعِ امت اور اتفاقِ امت ہے کہ جو چیز بھی ہو لیکن سامانِ تجارت ہو خواہ وہ کپڑے ہو، گاڑیاں ہو غرض جو بھی ہو لیکن تجارت کی مال ہو تو ان میں زکوۃ واجب ہو گی جس کی تفصیل حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی:728ھ) نے بھی کی ہے (دیکھیے تفصیلاً فتاوی ابن تیمیہ ج7 ص120)

اور اجماع امت بھی شریعت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

بغاوت:

لیکن اس کے برعکس غیر مقلدین کی بغاوت کو دیکھ کر انکی آزادانہ خیال کو داد دیجیے، کہتے ہیں کہ جن چیزوں میں زکوٰۃ شریعت نے واجب قرار دیاہے پس وہ متعین اور محصور ہیں ان کے علاوہ اشیاء میں زکوٰۃ نہیں ہے(!!) چنانچہ نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں

:واشیائے کہ دراں زکوۃ ست محدود و محصور ست پس در ماعدائے آں ھرچہ باشد چہ خصر دات دچہ جز آں زکوۃ نیست "(عرف الجادی)

یعنی جن چیزوں میں زکوۃ ہے وہ متعین اور محدود ہیں پس ان کے ماسوا میں خواہ وہ سبزیاں ہوں یا کچھ اور ان میں زکوۃ نہیں ہے۔

اور وہ متعین اور محدود کون کون سی اشیاء ہیں تو اس کی تفصیل غیر مقلدین کے مایہ ناز محقق وحید الزمان صاحب نے لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں

"اموال الزکوة الذهب والفضۃ والحنطۃ والشعير والذرة من الحبوب والتمر والدبيب من الفواكہ والعسل والابل والبقر والغنم والجاموس والضأن ولاشئ ماعداها ولوكانت للتجارة "

(**كنزالحقائق ص**43)

یعنی اموالِ زکوۃ یہ ہے سونا، چاندی،

گہیوں، جو، مکئ ، کھجور، منقع، شہد، اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اس کے سوا میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ وہ تجارت ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

=÷=

۲۸: غنی اور مالداری کی حدبندی

شریعت:

سب کو معلوم ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت ہو تو اس مالک کو غنی کہا جائیگا یہ خود زکوۃ دے گا نہ کہ کسی سے زکوۃ لے گا۔

بغاوت:

جبکہ غیر مقلدین کا اس سے بغاوت ملاحظہ کیجیے، نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"غنی کے است کہ پنجاہ درھم یا بھائے آں از زر نزد خود دار د وایں تعریف در حدیث مرفوع آمدہ" (عرف الجادی)

یعنی غنی وہ ہے جس کے پاس درہم یا اس کے برابر سونا کی قیمت ہو اور غنی کی یہ تعریف حدیث مرفوع میں مذکور ہے۔

یہ ہے غیر مقلدین کا مسلک جو من مانی اور خواہشات کی عینِ تصویر ہے۔ عجیب ہی مسلک ہے اور حوالے میں جو مرفوع حدیث کا تذکرہ کیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی سے سوال کیا دراں حال یہ کہ اس کے پاس دینار پیسہ ہے جو اس کو غنی کر دیتا ہے تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ نوچا ہوا اور زخمی شدہ ہو گا۔

لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کتنی مقدار سے آدمی غنی جو جاتا ہے؟

تو آپ نے فرمایا پچاس درہم یا اس کے برابر سونا کی قیمت (سنن الترمذی)

حالانکہ یہ روایت ثابت ہی نہیں کیونکہ اس میں "حکیم بن جبیر " راوی ضعیف ہے تفصیلاً اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کی حالات دیکھیں اگر غیر مقلدین حضرات اپنی کتاب (**تحفة الاحوذی للمبارکفوی**) بھی دیکھ لیں امید ہے اطمینان آجائیگا۔

۲۹: عدم قدرت کی صورت میں روزہ کا فدیہ واجب نہ ہونا

شریعت:

=÷=

امام بخاری رح نے ابن عباس رض سے اس آیت (**وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین**) کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ

"**قال ابن عباس نزلت رخصۃ للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لایستطیعان الطعام فیطعمان مکان کل یوم مسکینا**" (**بخاری**)

ترجمہ: ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت اس بوڑھے مرد اور اس بوڑھی عورت کے لئے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ھو پس انہیں ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

بغاوت:

غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو روزہ کا فدیہ دینا واجب نہیں ہے، چناچہ نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں

"وعلی کل حال در آیۃ کریمہ (**وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین**) دلالت بر وجوب اطعام بر تارک صوم غیر مطیق نیست وھو محل النزاع وچنانکہ در کتاب و سنت دلیلی برین سخن نیست ہمچنان در غیر این ہر دو حجت نیرہ ھم دلیلی بر ان یافتہ نشد پس حق عدم وجوب اطعام ست" (عرف الجادی ص 80)

یعنی بہر حال اس آیت کریمہ (**ولی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین**) میں فدیہ مسکین کی دلیل نہیں ہے اور جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے اس طرح کتاب و سنت کے علاوہ میں بھی اس پر کوئی روشن دلیل نہیں ہے اس لئے حق یہی ہے کہ روزہ رکھنے کی صورت میں کھانا کھلانے کا حکم واجب نہیں ہے۔

یہ وہ امت ہے کہ شریعت سن کے کہے

میں تو وہابی ہوں نہ مانوں گا یہ فرمانِ حدیث

۳۰: مسجد سے کچھ دور رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں

شریعت:

حدیث پاک میں آتا ہے

عن عبد اللہ بن عمرو، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: "الجمعة علی کل من سمع النداء"،

=÷=

(سنن ابی داود رقم الحدیث 1056)

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو جمعہ کی اذان سنے۔

اسی طرح بہت سی احادیث موجود ہے لیکن صرف اسی ایک پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

بغاوت:

جبکہ شریعت کے اس مسئلے سے بھی غیر مقلدین کا بغاوت ملاحظہ فرمائیں۔ نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

"وبر بعید المکان واجب نیست اگرچہ ندا بشنود بنابر مزید مشقت دران"

(عرف الجادی ص 41)

یعنی جس کا گھر مسجد سے فاصلہ پر ہو تو اگرچہ وہ اذان کی آواز سنتا ہو اس ہر مشقت کی وجہ سے جمعہ واجب نہیں ہے۔

لو جی! یہ ہے غیر مقلدین کی خواہش پرستی!

(جاری)

قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"بعض مشایخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقعہ ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم وعبادت میں مشغول ہوتے، لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امرا سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لیے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لیے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لیے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لیے مل رہا ہے حالاں کہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بنا پر لوگوں سے ملنا واجب ہوتا ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے۔"

(الاعتدال فی مراتب الرجال 17,16)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

مفتی رب نواز، احمد پور شرقیہ

تحقیقی جائزہ کتاب کا مطالعہ

بندہ کو ایک رسالہ پڑھنے کا موقع ملا جس کا نام ’’حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دیگر اکابر پر بہتانات اور اُن کا تحقیقی جائزہ‘‘ ہے۔

رسالے پر مرتب کا نام ’’مولانا محمد یحیٰ شرق پوری‘‘ درج ہے۔ سرورق پر ’’شائع کردہ جمعیت اہلِ حدیث شرق پور ‘‘لکھا ہوا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے علاوہ جنہیں اکابر تسلیم کر کے اُن کا دفاع کیا ہے وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہم اللہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کے دفاع پر جو باتیں تحریر ہیں انہیں بندہ نے ایک مستقل مضمون ’’دفاعِ علمائے دیوبند مولانا یحیٰ شرق پوری کی زبانی‘‘میں جمع کر دیا ہے۔ رسالہ کی کچھ مزید باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ کو خراجِ تحسین

شرق پوری صاحب نے شاہ اسماعیل شہید کی طرف منسوب عبارت ’’نماز میں گدھے گھوڑے کا خیال... ‘‘کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

> ’’حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف سے جتنا دفاع اور ان پر لگائے گئے الزامات کے جوابات جتنے مدلل اور حقائق پر مبنی حضرت منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم العالیہ نے رقم فرمائے ہیں انہیں پڑھ کر ہر انصاف پسند مولانا کو دُعائیں دیتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین اس جواب میں زیادہ تر ان کے افادات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مؤلف‘‘
>
> (تحقیقی جائزہ صفحہ ۹)

یادرہے کہ حضرت نعمانی رحمہ اللہ حنفی و دیوبندی عالم دین ہیں۔

فنِ تصوّف کی کتاب ’’صراط مستقیم‘‘ شاہکار ہے

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

=÷=

”صراطِ مستقیم“ بڑی شاہکار کتاب ہے اور اس کا موضوع تصوّف اور تزکیۂ نفس ہے جو صوفیاء کرام کی اصطلاحات کی روشنی میں لکھی گئی۔ خاص کر عارف باللہ سیدنا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاحات کے مطابق مضامین کو ادا کیا گیا ہے چنانچہ صفحہ نمبر ۴ پر یہ تصریح موجود ہے۔“

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱)

فن تصوّف کی کتاب کو ”شاہکار“ کہنا اُن غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو تصوّف کو اسلام کے مقابلہ میں الگ دین کہتے ہیں۔

عظمتِ الٰہی کے مقابلہ میں مخلوق معدوم ہے

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

”عاجز بندوں کو خدائی اختیارات دینے والے بیچارے کیا جانیں کہ خدا کی معرفت والے قلب پر جب اللہ کی عظمت کا انکشاف ہوتا ہے تو ساری مخلوق اس کی نظر میں چمار یا رائی کی طرح ہیچ نہیں بلکہ بالکل معدوم ہوتی ہے... حضرت خواجہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چوں عظمت و عزت و بے نیازی و نظر کنی ہمہ موجودات عدم بینی، جب تیری خدا کی عظمت و عزت اور بلندی کی طرف نظر ہو تو اس کے مقابلے میں ساری مخلوق معدوم نظر آئے گی۔“

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۷)

یہاں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ عظمتِ الٰہی کے مقابلہ میں مخلوق کو معدوم کہنا وحدۃ الوجود ہے یا کچھ اور؟

شیخ جیلانی سردار اولیاء

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

”سردارِ اولیاء امامِ اہلِ حدیث حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ“

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۴۳)

=÷=

شیخ جیلانی رحمہ اللہ حنبلی المسلک ہیں مگر شرق پوری صاحب انہیں اہل حدیث لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں اہلِ حدیث کہنے والوں کے خلاف شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں مثلاً بیس تراویح کا قائل ہونا وغیرہ۔ دیکھئے (غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۹۶)

پروپیگنڈے

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

”ہم نیک دل مسلمانوں سے جو اپنے پہلو میں درد مند دل رکھتے ہیں اور اپنے اندر خدا خوفی کا وصف رکھتے ہیں اور قیامت کی برحق عدالت میں پیش ہونے اور بھلے یا بُرے اعمال پر جزا سزا ملنے کا یقین رکھتے ہیں ہم ان سے اپیل کرتے ہیں کہ ایسے کذب و افتراء پر مبنی پروپیگنڈے کرنے والے مسلمانوں میں منافرت اور فرقہ ورانہ اشتعال پیدا کرنے والے لوگوں کو پہچانیں اور محض خالی خولی عشقِ رسولؐ اور تعظیم بزرگان کی آڑ میں مسلمانوں میں باہمی رواداری اور معاشرتی محبت آمیز میل جول ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے دجل و فریب سے بچیں۔ الحذر، الحذر بچو، بچو، بچو“

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۴۶)

اس سے معلوا ہوا کہ جو لوگ مولانا نانوتوی، مولانا تھانوی اور مولانا سہارن پوری رحمہم اللہ پر گستاخی رسول کا الزام لگاتے ہیں وہ پروپیگنڈا کرنے والے ہیں اُن کی طرف سے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ محض کھوکھلا ہے۔ یہ لوگ نفرت، اشتعال پھیلا رہے ہیں اور دجل و فریب سے کام لے رہے ہیں لہٰذا ان سے تین بار بچنے کی تاکید ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ہو جاتی تو اچھا ہوتا کہ گستاخی کا الزام میں لگانے میں کہیں نام نہاد اہلِ حدیث تو ملوث نہیں؟

امت کے صلحاء اور اکابر اولیاء

شرق پوری صاحب لکھتے ہیں:

”یہ مختصر تحریر میں نے سادہ دل عامۃ المسلمین کی خیر اندیشی کے جذبے سے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی ہے تاکہ وہ بے خبری میں امت کے صلحاء اور اکابر اولیاء پر بدگمانی

=÷=

میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت کو نقصان نہ پہنچائیں اور جو لوگ فرقہ ورانہ عصبیت کی گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کو خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی متاثر نہیں کرتی۔"

(تحقیقی جائزہ صفحہ ۴۷)

اس رسالہ "تحقیقی جائزہ" میں شاہ اسماعیل شہید، مولانا نوتوی، مولانا تھانوی اور مولانا سہارن پوری رحمہم اللہ پر الزامات کا جواب ہے اور مذکورہ عبارت انہی بزرگوں کے دفاع میں لکھی گئی۔

اس عبارت سے ایک تو یہ ثابت ہوا مذکورہ بالا حضرات امت کے صلحاء اور اکابر اولیاء ہیں۔ دوسرا یہ ثابت ہوا کہ جو اِن اکابر کے خلاف بدگمانی پھیلانے والے ہیں وہ اپنی عاقبت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

=÷

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر: 03428970409